نومولود سے متعلق شرعی احکام

نکاح کے مقاصد، خاندانی منصوبہ بندی، اسقاطِ حمل، بچوں کی تربیت اور پیدائش کے بعد سے متعلق احکام (مثلاً: اذان، تحنیک، عقیقہ، نام رکھنا، بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کرنا اور ختنہ کرنا) پر اجمالی اور تحقیقی مسائل کا مجموعہ

تقریظ و پسند فرمودہ

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان



تالیف

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفی اللہ عنہ

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف و استاد جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ فاروقیہ

نومولود سے متعلق شرعی احکام

نکاح کے مقاصد، خاندانی منصوبہ بندی، اسقاط حمل، بچوں کی تربیت اور پیدائش کے بعد سے متعلق احکام (مثلاً: اذان، تحنیک، عقیقہ، نام رکھنا، بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کرنا اور ختنہ کرنا) پر اجمالی اور تحقیقی مسائل کا مجموعہ

تقریظ وپسند فرمودہ

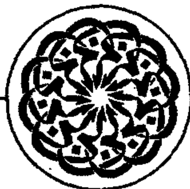
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تالیف

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفی اللہ عنہ

رئیس شعبہ تصنیف و تالیف و استاد جامعہ فاروقیہ کراچی



مکتبہ فاروقیہ

شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

نومولود سے متعلق شرعی احکام

تالیف

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفی اللہ عنہ

رفیق شعبۂ تصنیف و تالیف و استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

تقریظ و پسند فرمودہ

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

1434ھ / 2013ء

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان

نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4

کراچی 75230، پاکستان

فون: 021-4575763

m_farooqia@hotmail.com

انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو

شیخ الحدیث، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

اور

اساتذہ دارالافتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی

اور

اساتذہ مدرسہ عربیہ اشرف العلوم، اٹھیل پور

و مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ

کے نام کرتا ہوں

جن کی محنتوں، کوششوں اور دعاؤں کی برکت سے

بندہ ناچیز کسی نہ کسی درجے میں دین وخدمتِ دین سے منسلک ہے،

اللہ رب العزت اِن تمام حضرات کو اپنی شایانِ شان جزاء عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین



☆............☆............☆

تقریظ

یادگارِ اسلاف، استاذ المحدثین، شیخ الحدیث

حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب اطال اللہ فیوضہم علینا

صدرِ وفاق المدارس العربیہ، مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و کفیٰ وسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ

وبعدُ! اسلام کامل و مکمل دین ہے اور بزرگ و برتر کے یہاں اس کے علاوہ کوئی دین قابلِ قبول نہیں ہے۔ اسلام کی عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرتی امور کے لیے واضح اور مفید ہدایات موجود ہیں۔ اسلام کی جامعیت یہ ایسی ممتاز اور نمایاں خوبی ہے، جو کسی بھی دوسرے دین کو نصیب نہیں ہے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کے استاذ اور شعبہ تصنیف و تالیف کے رکن مولانا مفتی محمد راشد صاحب حفظہ اللہ نے ''نومولود کے احکام'' پر یہ رسالہ تالیف کیا ہے، اور موضوع سے متعلق بہت مفید مواد جمع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو حسنِ قبولِ عطا فرمائیں اور مؤلفِ موصوف کے لئے بطورِ صدقہ جاریہ منظور فرمائیں، آمین ثم آمین

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۶/صفر ۱۴۳۴ھ

9/جنوری 2013ء

تقریظ

استاذ الحدیث، مدیر ماہنامہ الفاروق، وناظمِ اعلیٰ جامعہ فاروقیہ،

حضرت مولانا **عبید اللہ خالد** صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ لِوَلِیّہ والصَّلاۃُ والسَّلامُ علی نبیّہ ﷺ

امابعد! زیرِ نظر رسالہ درحقیقت اس مضمون کی نئی شکل ہے، جو جامعہ فاروقیہ کراچی سے جاری ہونے والے ماہنامہ الفاروق میں چار قسطوں میں شائع ہوا، موضوع کی افادیت اور مسائلِ مذکورہ کے بکثرت پیش آنے کی وجہ سے مناسب سمجھا گیا کہ اسے یک جا بھی شائع کردیا جائے۔

چناں چہ! رسالہ مذکورہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ماہنامہ الفاروق میں ان مضامین کی اشاعت کے موقع پر احقر نے ان مضامین کو تفصیل سے دیکھا تھا۔

ماشاء اللہ مؤلف ومرتب مفتی محمد راشد ڈسکوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے بہت محنت سے متعلقہ موضوع پر طوالت سے بچتے ہوئے نہ صرف مفید مواد جمع کیا ہے، بلکہ طلباء وعلماء کی آسانی کی خاطر ہر ہر مسئلہ کی امہات الکتب سے دلیل بھی ذکر کر دی ہے، مزید برآں زیرِ نظر رسالہ میں کچھ اہم مسائل مثلاً: ''نومولود کے پیشاب کی طہارت'' اور ''بچوں کو ملنے والے تحفہ تحائف وہدایا کے شرعی احکام'' کا اضافہ بھی کردیا ہے۔

مفتی محمد راشد ڈسکوی سلمہ اللہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل اور جامعہ فاروقیہ، کراچی کے متخصص ہیں، محنتی، ذی استعداد اور تحقیقی کاموں میں مصروف رہنے کا شوق رکھتے ہیں، اللہ رب العزت ان کی اس محنت کو قبول فرماتے ہوئے زورِ قلم میں اضافہ فرمائے اور اِس مبارک کوشش کو موصوف کے لیے صدقہ جاریہ اور امت مسلمہ کے لیے نافع بنائے، آمین

عبید اللہ خالد

۲۷/صفر/۱۴۳۴ھ۔10/جنوری2014ء

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعدُ! تخصص فی الفقہ الاسلامی سے فراغت کے بعد جامعہ فاروقیہ کراچی میں ہی حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کی سرپرستی میں تدریس اور حضرت زید مجدہم کی تقریرِ بخاری الموسوم بہ ''کشف الباری عمانی صحیح البخاری'' پر کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، الحمدللہ ذالک

اس دورانیے میں مختلف مدارس سے جاری ہونے والے رسائل و جرائد کے لیے مضامین لکھنے کا سلسلہ جاری رہا، جن میں سے بیشتر تو جامعہ فاروقیہ سے جاری ہونے والے ''ماہنامہ الفاروق'' میں شائع ہوتے رہے، اس کے علاوہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، بینات، الاحسن، الخیر، الحق، ماہنامہ دارالعلوم کبیر والہ، المباحث الاسلامیہ بنوں اور روزنامہ اسلام میں بھی شائع ہوتے ہیں۔

انہی مضامین میں سے ایک طویل مضمون ''نومولود سے متعلق شرعی احکام'' کے نام سے ماہنامہ الفاروق میں چار قسطوں (شوال ۱۴۳۳ھ تا محرم ۱۴۳۴ھ) میں شائع ہوا۔

اس مضمون میں بچوں سے متعلق وہ ضروری ظاہری احکام جو اُن کے والدین یا سرپرستوں پر لازم ہوتے ہیں (مثلاً: بچے کے کان میں اذان دینا، تحنیک کرنا، نام رکھنا، عقیقہ کرنا، بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کرنا، ختنہ کرنا اور اس کے علاوہ ان مسائل سے قبل نکاح کے مقاصد وفوائد، خاندانی منصوبہ بندی، اسقاطِ حمل کے مسائل بھی) تفصیل سے حوالوں کے ساتھ بیان کیے گیے ہیں، اگرچہ عامۃ الناس کو تو عربی عبارتوں یا حوالوں کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن طلباء اور علماء کی سہولت اور اطمینان کی خاطر ہر ہر مسئلہ کا حوالہ بھی ذکر کر دیا گیا ہے، مزید برآں مذکورہ مضمون میں کچھ دیگر اہم مسائل، مثلاً: ''بچوں کے پیشاب کا حکم اور اس کی طہارت کا

طریقہ'' اور'' بچوں کو ملنے والے تحفے تحائف وہدایا کا شرعی حکم'' کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

اس موضوع پر ابھی تک عربی اور اردو زبان میں بہت کچھ اور تفصیل سے لکھا گیا ہے، لیکن موجودہ دور کی مصروفیات کی وجہ سے عام شخص ان طویل وضخیم کتب کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرتا ہے، جب کہ یہ مسائل ہر شخص کو پیش آنے والے مسائل ہیں، چناں چہ مذکورہ مضمون سے استفادہ بآسانی ہر شخص کی دسترس میں ہوگا۔

میں حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا نہایت مشکور و ممنون ہوں کہ حضرت اقدس نے اپنی پیرانہ سالی، امراضِ شدیدہ ومصروفیاتِ کثیرہ کے باوجود نہ صرف پورے مضمون کو دیکھا اور کلماتِ تبریک ثبت فرمائے، بلکہ کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکتبہ فاروقیہ سے طبع کروانے کی گذارش کو بھی قبول فرمالیا، جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

نیز! حضرت مولانا عبداللہ خالد صاحب دامت برکاتہم کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اپنی بے شمار مصروفیات سے وقت نکال کر مذکورہ رسالہ کو دیکھا اور ضروری اصلاحات ومفید مشوروں سے نوازا، اس کے علاوہ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ جس جس شخص کی معاونت کسی بھی اعتبار سے شامل حال رہی، (بالخصوص مفتی سمیع الرحمٰن صاحب، مفتی عارف محمود صاحب و مفتی عبدالرحیم صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ، رفقائے شعبہ تصنیف وتالیف، جامعہ فاروقیہ کراچی) کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین ثم آمین

محمد راشد ڈسکوی

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

mrashiddaskvi@yahoo.com

۲۹/صفر ۱۴۳۴ھ ، 12/جنوری 2013ء

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نومولود سے متعلق شرعی احکام

پہلی بات

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک نسل انسانی کے بڑھنے کا سلسلہ بصورتِ پیدائش جاری ہے، اس دنیا فانی میں سانس لینے والا ہر متنفّس اپنی زندگی بسر کرنے میں خالقِ کون ومکاں کے احکامات کا پابند ہے، اسی کا نام امتحان ہے کہ کون اس دنیا میں اس کی منشاء کو سامنے رکھ کر زندگی گذار کر آتا ہے اور کون من مانی کی زندگی گذار کر آتا ہے؟!

اصلاً تو اللہ رب العزت کے احکامات بلوغت کے بعد ہی انسان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لیکن ان احکامات پر چلنے کے لئے "مطلوبہ استعداد (یعنی: ایمان) کا حصول" اس انسان کے اندر اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہونا شروع ہو جاتا ہے، اس کی دلیل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ مبارک ہے جس میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

"لو أن أحدكم إذا أتىٰ أهله، قال : "بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ و جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" فقضي بينهما ولد، لم يضره الشيطان". (الصحيح للبخاري، كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال و عند الوقاع، رقم الحديث: 141، ص: 15، دار السلام)

کہ جب تم میں سے کوئی اپنی زوجہ حیات کے پاس جاتے وقت (یعنی صحبت کرنے سے پہلے) یہ دعا "بِاسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا

الشَّیْطَانَ و جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ اُس رات کے ملنے کی وجہ سے اگر اولاد کا فیصلہ کرلے، تو شیطان اس بچے کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جو بچہ شیطان کے اثرات سے محفوظ رہے گا، وہ بلوغت کے بعد احکاماتِ الٰہی پر بھی چلنے والا ہوگا اور ان احکاماتِ الٰہی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وہ اپنے والدین کا فرمانبردار بھی ہوگا، اس کے برعکس جو بچہ بلوغت سے پہلے ہی شیطان کا قیدی بن جائے گا، وہ بلوغت کے بعد بھی اس کے اثرات میں جکڑا رہے گا، چنانچہ! وہ بچہ نہ صرف اللہ جل جلالہ کے احکامات چھوڑنے والا ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنے ماں باپ کا بھی نافرمان ہوتا ہے، اس وقت اس کے والدین بھی اس سے شاکی رہتے ہیں کہ یہ بچہ نافرمان ہے، ہماری مانتا ہی نہیں، اپنی مَن مانیوں پر چلتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ دیکھا جائے تو اول قصوروار اس کے والدین ہی نکلتے ہیں جنہوں نے ابتداء سے ہی اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اُن افعال سے نہیں بچایا جو انسان کو گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف لے کر چلتے ہیں، اور اس کے اندر سرکشی پیدا کرتے ہیں۔

دوسری بات:

جیسے گناہوں کی تاثیر ہوتی ہے، اسی طرح نیکیوں کی بھی تاثیر ہوتی ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ سفر کیا، تو اس سفر میں جہاں اور بہت سارے عجائبات ان کے سامنے آئے، وہاں ایک یہ بات بھی سامنے آئی کہ انہوں نے ایک ایسی دیوار کو سیدھا کیا جو گرنے کے قریب تھی، یعنی اس دیوار کی تعمیر کی، تاکہ وہ گرنے سے بچ جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریافت کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے یہ حکمت بتلائی:

﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَّبِّكَ﴾(الکھف:82)

کہ اس دیوار کے نیچے ایک خزانہ مدفون تھا جو دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا، اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس نے مرنے سے قبل اپنے ان نابالغ بچوں کے لئے وہ خزانہ دفن کیا تھا کہ بلوغت کے بعد وہ اسے نکال لیں گے اور وہ (خزانہ) ان کے کام آئے گا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان بچوں کا باپ نیک آدمی تھا، جس کی نیکی کا یہ صلہ دیا گیا کہ اس کے مال کی حفاظت کی گئی جو کہ بطورِ امانت رکھا گیا تھا تا کہ بوقت ضرورت اس کی اولاد کے کام آئے، جبکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ ساتویں پشت کا باپ تھا، اور اس کی نیکی کے بارے میں تفاسیر میں یہ آتا ہے کہ ''لوگ اس کے پاس امانتیں رکھواتے تھے اور وہ بغیر کسی خیانت کے لوگوں کی امانتیں ان کو واپس کر دیتا تھا'' (روح المعاني، سورة الكهف: ۲۸: ۱۱/۹۶۳ دار احیاء التراث)۔

الغرض بات یہ چل رہی تھی کہ ''احکامات پر چلنے کے لئے ''مطلوبہ استعداد (یعنی: ایمان) کا حصول'' اس انسان کے اندر اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی ہونا شروع ہو جاتا ہے'' جو کہ اس کے والدین کے ذریعے ہوتا ہے، لہٰذا ماں اور باپ، اگر یہ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد نیک و کار ہو اور ان کی فرماں بردار ہو، تو دونوں کے ذمے یہ بات لازم ہے کہ جہاں وہ خود اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتے ہوئے نیک کاموں کو کریں، وہاں اولاد سے متعلق احکاماتِ الٰہیہ کو بھی پورا کریں اور اولاد سے متعلق منہیات سے بھی بچیں۔

چناں چہ ذیل میں سب سے پہلے شریعت کی نظر میں اولاد کے حصول کا مقصد اور

اس کی اہمیت ذکر کی جائے گی اور اس کے بعد والدین کی طرف ان کی اولاد سے متعلق جو احکامات متوجہ ہوتے ہیں، ان کو ذکر کیا جائے گا۔

حصولِ اولاد کا مقصد:

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اولاد کے حصول کو پسندیدہ اور مطلوب قرار دیا ہے، اور اولاد کے حصول کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ:

(۱) اس سے سید الانبیاء حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی امت میں اضافہ ہو۔

(۲) اپنے لئے راحتِ جسمانی اور راحتِ روحانی کا حصول ہو۔

(۳) مرنے کے بعد اپنے لئے صدقہ جاریہ کا ذریعہ بنے۔

(۴) صالح اولاد کے ذریعے نیک اور صالح معاشرے کا قیام وجود میں آئے، وغیرہ وغیرہ۔

چناں چہ! جس ذریعے سے اولاد کا حصول ہوتا ہے، (یعنی: نکاح) اس کے اپنانے کی پرزور ترغیب دی گئی اور اس کے ترک کو سخت ناپسند کیا گیا اور اس کے تارک کی حوصلہ شکنی کی گئی، اس لیے صرف نکاح ہی نہیں، بلکہ اس عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی جو زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ہو، اور اس عورت سے نکاح کرنے کو ناپسند قرار دیا گیا جو اس صلاحیت سے محروم ہو۔

ذریعہ اولاد "نکاح" کا مقصد

حضرت عائشہ صدیقہ رضي الله عنہا نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتی ہیں، جسے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ:

قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني

وتـزوجـوا فإني مكاثر بكم الأمم ومن كان ذا طول فلينكح
وإن لم يجد فعليه بالصيام فإن الصوم له وِجاء".
(سـنـن ابـن مـاجة، كتـاب النكاح باب ما جاء في فضل
النكاح، رقم الحديث: 1846، دار السلام)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرے گا، تو وہ مجھ سے نہیں ہوگا (یعنی میرے طریقے پر قائم نہیں رہے گا) اور تم نکاح کیا کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے (قیامت کے دن) دوسری امتوں پر فخر کروں گا اور تم میں سے جو طاقت رکھتا ہو، تو اسے چاہیے کہ نکاح کرے اور جسے طاقت نہ ہو تو وہ (کثرت سے) روزے رکھنے کا اہتمام کرے، کیونکہ روزہ اس کے لئے وِجاء ہے (یعنی شہوت کو ختم کرنے والا ہے)۔

اس ارشادِ مبارک میں نکاح کا مقصد ذکر کیا گیا ہے، کہ شہوت کے غلبے کی صورت میں جائز طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کرنے کا ذریعہ نکاح ہے، اور اگر جائز طریقہ نہ ہو یعنی نکاح نہ ہوا ہو تو اس کا علاج کثرت سے روزے رکھنا بتایا گیا ہے۔

بانجھ عورت سے نکاح کا ناپسندیدہ ہونا:

اوپر ذکر کردہ حدیث کے برعکس ایک حدیث مبارکہ میں ایسی عورت سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو، جیسا کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جـاء رجـل إلـى الـنبـي ﷺ فـقـال: "إنّي أُصبت
إمـرأةً ذات حسـبٍ و جـمـالٍ و إنّما لا تلد، أفأتزوّجها؟"
قـال: "لا". ثـم أتـاه الثّـانية، فـنهـاه، ثـم أتـاه الثّـالثة،

فقال: "تزوّجوا الودودَ الولودَ، فإنّي مكاثرٌ بكم الأمم". (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح ،باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء،رقم الحديث: 2052، دار السلام)

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں ایک ایسی عورت کو جانتا ہوں، جو بڑے اونچے نسب والی اور خوبصورت عورت ہے، لیکن اس کے اندر اولاد پیدا کرنے کی صفت نہیں ہے، کیا میں اس سے شادی کر لوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، پھر وہ شخص دوسری بار حاضرِ خدمت ہوا اور اسی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی ،آپ ﷺ نے اس بار بھی اسے اُس عورت سے شادی کرنے سے منع کر دیا، وہ شخص پھر تیسری مرتبہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس عورت سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو اس بار نبی اکرم ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا کہ تم ایسی عورت سے شادی کرو، جو زیادہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے (قیامت والے دن) دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

البتہ اگر مقصود محض عفت و پاکدامنی کا حصول ہو، دیگر کوئی اور رشتہ بھی نہ مل رہا ہو تو پھر ایسی عورت سے نکاح کروانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ نکاح کے مقاصد میں صرف اولاد کا حصول ہی نہیں ہے بلکہ شرمگاہوں کی حفاظت بھی ہے۔

شریعت کی نگاہ میں حصولِ اولاد کی اہمیت:

اس فرمانِ مبارک سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ شریعت کی نظر میں نہ صرف اولاد کے حصول کی اہمیت بلکہ اس حصول کے ذریعے (یعنی: بچے جننے والی عورت سے نکاح) کی بھی بہت زیادہ اہمیت ہے، اسی لیے اس عورت سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا جو مال و دولت کی اور حسن و جمال کی مالک تو ہے لیکن وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ چناں چہ نکاح کرنے اور اس کے ذریعے اولاد کے حصول کی اہمیت کو اور زیادہ واضح انداز میں سمجھنے کے لیے ایک اور فرمانِ رسول پر نظر ڈالیے:

عن أنس بن مالك قال: "كان رسول الله ﷺ يأمر بالباءة، وينهىٰ عن التبتل نهياً شديداً"، ويقول: "تزوجوا الودود الولود، إني مكاثرٌ بكم الأنبياء يوم القيامة".

(مسند أحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك، رقم الحديث: 12613، 13569، 20/63، 21/191، مؤسسة الرسالة)

حضرت انس بن مالک رضي الله عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اس شخص کو سختی سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے جو نکاح پر قدرت رکھتا ہو، اور ایسے شخص کو بے نکاح رہنے پر سختی کے ساتھ منع کیا کرتے تھے، اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت سے نکاح کیا کرو جو خوب محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ہو، ارشاد فرمایا کہ: "بے شک

تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسرے انبیاء کی امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا''۔

مذکورہ صفات کی حکمت:

ان دونوں احادیث میں خوب محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا، اس کی حکمت کے بارے میں ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں: کہ یہ دونوں قیدیں اس لیے لگائی گئی ہیں کہ: اگر عورت محبت کرنے والی نہ ہوئی، تو خاوند کی اُس عورت میں رغبت نہیں ہوگی اور اگر اُس کے اندر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہوئی، تو پھر نکاح کا مقصدِ عظیم (زیادہ اولاد کے ذریعے اُمتِ محمدیہ ﷺ کا کثیر التعداد ہونا) فوت ہو جائے گا۔

زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت کی پہچان کا طریقہ:

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ کس عورت کے اندر زیادہ محبت کرنے کی صلاحیت اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہے؟ تو اس بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ دونوں خوبیاں پہچاننے کے لئے اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کو دیکھا جائے گا کہ ان کے اندر یہ دونوں وصف کس حد تک پائے جاتے ہیں، اگر ان کے اندر یہ اوصاف نظر آئیں تو پھر اس عورت میں بھی یہ اوصاف ہوں گے کیوں کہ صفات و طبائع، نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں، تو احتمالِ غالب کے مطابق اس عورت میں بھی یہ صفات منتقل ہوئی ہوں گی، بس اتنا اندازہ لگالینا کافی ہے، بعد میں اولاد کا پیدا ہونا یا نہ ہونا تقدیر کا کھیل اور ربِّ عزوجلّ کی طرف سے ایک امتحان ہوگا (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، النوع الثانی، رقم الحدیث: 3091، 6/247، دار الکتب العلمیہ)۔

اولاد کی کثرت میں نبی اکرم ﷺ کی رغبت:

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کی رغبت کس قدر تھی؟ اس کا اندازہ مذکورہ حدیث سے لگایا جا سکتا ہے: کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے حضرت أنس رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر ان کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسول الله ! خادمك أنس، أُدع الله له، فقال: "اَللّٰهُمَّ أَكْثِر مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ". (صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أنس ابن مالك، رقم الحديث: 2480، المكتبة بيت الأفكار)

کہ یہ میرا بیٹا انس آپ کا خادم ہے، اس کے لئے آپ اللہ رب العزت سے دعا کیجیے، تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت انس کے لئے ان الفاظ میں دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ" کہ یا اللہ! اس کے مال کو اور اس کی اولاد کو زیادہ فرما دیجیے، اور جو کچھ آپ نے اس کو عطا فرمایا ہے، اس میں برکت ڈال دیجیے۔

اس دعا کی قبولیت کس شکل میں ہوئی؟ اس بارے میں علامہ سندھی رحمہ اللہ حاشیہ بخاری میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کے مال میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ بصرہ شہر میں ان کے دو باغ تھے، جو سال میں دو بار پھل دیتے تھے، اور ان کی اولاد میں اس طرح برکت ہوئی کہ ان کی (زندگی میں ہی ان کی اولاد اور "اولاد کی اولاد" کی) تعداد 120 تک پہنچی، اور ان کی عمر میں اس طرح برکت ہوئی کہ

99 سال یا 103 سال یا 107 سال اور ایک قول کے مطابق 110 سال تک زندہ رہے"۔(حاشية السندی علی صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبیان بالبرکة، 4/159، دار الفکر، بیروت)

خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی حکم:

اوپر ذکر کردہ اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نکاح شریعت کی نظر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور اسی طرح نکاح سے جو مقصود ہے یعنی: اولاد، وہ بھی نہایت اہم ہے، چناں چہ جس طرح اولاد کے حصول پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح ہر ایسی حرکت سے منع کیا گیا، جس سے اولاد کے حصول کا سلسہ منقطع ہو جائے، چاہے وہ صورت عزل (یعنی: بیوی سے ملتے وقت مادہ منویہ باہر خارج کرنے) کی ہو یا نس بندی کی، مانع حمل ادویات کا استعمال ہو یا خاندانی منصوبہ بندی کا پراسس، عورت سے پیدائشِ اولاد کی صلاحیت کو ختم کرنا ہو یا حمل ٹھہر جانے کے بعد اسقاطِ حمل ہو، ہر صورت کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے۔عارضی طور پر مانعِ حمل کے لئے مختلف تدابیر کو اختیار کرنا اگر کسی ضرورتِ شرعیہ کی وجہ سے ہو تو شریعت کی طرف سے کچھ گنجائش ہے، بصورتِ دیگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ میری امت میں سے نہیں۔

"لیس منا مَن خصی ولا اختصیٰ،إن خصاء أمتي الصیام"(کتاب الزهد لابن المبارك، باب التواضع، رقم الحدیث: 845، ص: 336، دار الکتب العلمیه)

مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کا حکم؟

اور جن صورتوں میں شریعت نے عارضی طور پر مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کی اجازت دی ہے ان میں بھی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ عمل تنگ دستی اور

افلاس کے خوف سے نہ ہو، وگرنہ (مذکورہ بدعقیدگی کے ساتھ) مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، اس بارے میں ایک فرمانِ رسول ﷺ ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه، قال رجل: يا رسول الله ! أيّ الذنب أكبر عند الله؟ قال: أن تدعوا لله ندًا وهو خلقك، قال: ثم أيّ ؟ قال: أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك، قال: ثم أيّ؟ قال: أن تزاني بحليلة جارك، فأنزل الله عزوجل تصديقها ﴿والذي لا يدعون مع الله إلها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالخلق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق أثاما﴾. (الفرقان: 68). (صحيح البخاري، كتاب الديات، باب قول الله تعالىٰ: "ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم"، رقم الحديث: 6861، 4/265، المكتبة السلطانية)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ کون سا گناہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی، اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا

ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی دوسرے معبود کو شریک نہیں کرتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا''۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ تدابیر اختیار کرنا شرم وعار کی وجہ سے ہو تو اس کا گناہ اپنی بیٹی کو زندہ درگور (یعنی قتل) کرنے کے برابر ہے، حضرت جدامہ بنت وھب رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ

قالت: حضرتُ رسولَ الله ﷺ في أُناسٍ .... ثم سألوه عن العزل؟ فقال رسول الله ﷺ : "ذٰلك الوأدُ الخفيُّ"۔(صحيح مسلم ، كتاب النكاح، باب جوز الغيلة وهي وطء المرضع وكراهة العزل، رقم الحديث: 1442،ص:573، بيت الأفكار)

حضرت جدامہ بنت وھب رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ عزل کرنے کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ (عزل) خفیہ طور پر اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنا ہے۔

خفیہ طور پر اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنے کے بارے میں شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وهـي "وإذا الموؤدة سئـلـت"، الوأد دفن البنت وهـي حية وكـانـت الـعـرب تـفعله خشية الإملاق و ربما فـعـلـوه خوف الـعـار. (شـرح الـنـووي عـلـى صـحـيـح مسلم: 10/17، المطبعة المصرية بالأزهر)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہلِ عرب اپنی بیٹیوں کو تنگ دستی کے خوف اور شرم و عار کی بناء پر زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔

ان کا یہ فعل علی الاعلان ہوتا تھا، اور عزل کی صورت میں یہی فعل خفیۃً ہوتا ہے لہذا جیسے زندہ درگور کرنا اللہ رب العزت کے نزدیک بہت بڑا گناہ اور قتل کرنا ہے اسی طرح خفیہ طور پر زندہ درگور (یعنی عزل) کرنا بھی ہے۔ اور اگر یہ تدابیر ایسی ہوں جن سے پیدائشِ اولاد کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے تو ایسا کرنا بھی شرعاً بالکلیہ ناجائز ہے،

چناں چہ اس بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ (اس حدیث کی شرح میں جس میں آپ ﷺ نے خصی ہونے [یعنی: اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم کرنے] سے منع فرمایا) ارشاد فرماتے ہیں:

قـال الـعـلامة الـعـيـنـي رحمه الله تـحـت قولـه: "نهانا عن ذالك"، يعني: عن الاختصاء، وفيه تحريم الاختصاء لما فيه من تـغيير خـلـق الـلـه تـعالىٰ، و لما فيه من قطع النسل و تعذيب الحيوان. (عمدة القاري، كتاب التفسير، باب قوله تـعـالـىٰ: "يـا أيها الذين امنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم"، 18/280، دار الكتب العلمية)

اس حدیث سے خصی ہونے کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، اور

یہ حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس فعل میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر و تبدیلی کرنا ہے، اور اس وجہ سے کہ اس فعل میں نسلِ انسانی کو ختم کرنا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں کسی جاندار کو عذاب دینا پایا جاتا ہے۔

اور اگر حمل میں جان پڑ چکی ہو (یعنی حمل ٹھہرے ہوئے چار ماہ کا عرصہ گذر چکا ہو) تو اس وقت اسقاطِ حمل کرنا حرام اور قتلِ نفس ہے، چاہے ڈاکٹروں کے کہنے کی وجہ سے اسقاط ہو (بایں صورت کہ بچہ معذور ہوگا، یا نہایت کمزور ہوگا، یا عجیب الخلقت ہوگا وغیرہ وغیرہ) یا ان کے کہے بغیر۔

وفي حاشية ابن العابدين: "لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم، قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها. و قبله اختلف المشائخ فيه، والنفخ مقدر بمائة و عشرين يوماً بالحديث". (كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: 9 / 537، دار الكتب العربي)

عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کا حکم؟

کسی ایسے عذر کی وجہ سے جس کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہو، منع حمل کے لئے عارضی طور پر مختلف تدابیر اختیار کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، مثلاً: کوئی عورت بہت زیادہ کمزور ہو اور ماہر تجربہ کار مسلمان طبیب کی تشخیص کے مطابق اس عورت کے لئے حمل ٹھہر جانے کی صورت میں ناقابلِ برداشت تکلیف برداشت کرنا پڑے گی، یا پیدا ہونے والے بچے کے نہایت کمزور یا ناقص پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا اس سے پہلے والا بچہ ابھی بہت چھوٹا ہو، یا (اس بار کے حمل سے) پہلے بچے کی تربیت و پرورش اور دودھ پلانے پر اثر پڑتا

ہوتو کسی فاسد عقیدے کے بغیر، بیوی کی اجازت اور رضامندی سے عزل یا عارضی مانعِ حمل تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں بصورتِ دیگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ "شرح الدر المختار" میں فرماتے ہیں:

ویکره أن تسقىٰ لإسقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يُتَصوَّرُ(الدرالمختار)وقال تحت قوله"وجاز لعذر"كالمرضعةإذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها و ليس لأبي الصبي ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاك الولد، قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم، ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة و عشرين يوماً، جاز لأنه ليس بآدمي و فيه صيانة الآدمي، خانية.قوله:"حيث لا يتصور" قيد لقوله: "و جاز لعذر"، والتصور كما في القنية أن يظهر له شعر أو أصبع أو رجل أو نحو ذالك.

(حاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الاستبراء و غيره،9/615، دار عالم الكتاب)

مندرجہ بالا بحث سے پوری طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسانی نسل کشی کی جتنی بھی صورتیں ہیں، شرعاً ناجائز اور حرام ہیں، سوائے عذر والی چند صورتوں کے، کہ مخصوص شرائط کے ساتھ ان پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔اس کے بالمقابل حصولِ اولاد کی اہمیت بھی پوری طرح سامنے آچکی ہے۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت

من جانبِ اللہ انسان کو جو بھی اولاد حاصل ہو، لڑکا ہو یا لڑکی، وہ اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت اور اللہ کا تحفہ ہے، اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ یھب لمن یشاء إناثاً و یھب لمن یشاء الذکور ﴾. (الشوریٰ:49,50) کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، لڑکیاں ہبہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، لڑکے ہبہ کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد چاہے نرینہ (یعنی: لڑکا) ہو یا غیر نرینہ (یعنی: لڑکی) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ، یعنی: تحفہ ہے، تو جب یہ تحفہ ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

پیدائش اولاد پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول:

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اہل خانہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آپ یہ معلوم نہیں کرتی تھیں کہ لڑکا پیدا ہوا ہے یا لڑکی، بلکہ یہ معلوم کیا کرتی تھیں کہ ٹھیک طریقے سے اور بعافیت پیدا ہو گیا ہے؟ جب آپ کو یہ جواب ملتا کہ جی ہاں! بخیر و عافیت پیدا ہو گیا، تو آپ یہ سن کر فرماتی تھیں: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" ۔ اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ذکر کیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

> عن کثیر بن عبید قال: کانت عائشة رضي اللّٰه عنها إذا وُلِدَ فیهم مولودٌ (یعني: مِن أهلها) لا تسأل: غُلاماً ولا جاریةً، تقول: خُلِق سویّاً؟ فإذا قیل: نعم، قالت: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ".
>
> (الأدب المفرد، باب مَنْ حَمِدَ اللّٰه عند الولادة إذا کان سویّاً، ولم یُبالِ ذَکَراً أو أنثیٰ، رقم الحدیث: 1256،

مکتبة الدلیل، المملكة العربية السعودية)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مسلمانوں میں سے جس کے ہاں بھی کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پشت سے ایک زندہ جان کو پیدا کیا، جو اس کی طرف منسوب ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگا، اس بچے کی وجہ سے زمین میں اہلِ طاعات کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

فكلّ مَن وُلِد له من المسلمين وُلِد ذكرٌ أو أنثىٰ، فعليه أن يحمدَ الله جلّ ثناؤه على أن أخرَج من صُلبه نَسَمةً مثله يُدعىٰ له، ويُنسَب إليه، فيَعبُد الله لعبادته، ويُكثَر به في الأرض أهلُ طاعته.

(شُعب الإيمان للبيهقي، الستون من شعب الإيمان في حقوق الأولاد والأهلين، 11/ 104، مكتبة الرّشد)

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا تو اس پیدا ہونے والے بچے کے والدین کا فعل تھا، ان والدین کے عزیز و اقارب کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اس پیدا ہونے والے بچے کے والدین کو اس نومولود کے حاصل ہونے کی نعمتِ عظمیٰ پر مبارک باد دیں۔ چاہے نومولود لڑکا ہو یا لڑکی، اور اس مبارک باد کے بعد اس بچے یا بچی کے والدین کے لئے مستحب یہ ہے کہ مبارک باد دینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں ''جزاک اللہ خیراً'' کہیں۔

اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا معمول نقل کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے پاس نومولود بچوں کو لایا جاتا تھا تو آپ ﷺ ان کے لیے برکت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

عن عائشة رضي الله عنها قالت:" كان رسول

اللہ ﷺ یؤتیٰ بالصبیان، فیدعو لھم بالبرکۃ". (سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في الصبي یولد، فیؤذن في أذنه، رقم الحدیث: 5105، 5/ 209، دار ابن الحزم)

ولادت کے موقع پر لڑکے کی پیدائش پر تو مبارک باد دینا اور لڑکی کی پیدائش پر مبارک باد نہ دینا، جاہلیت کا طرز ہے، موجودہ دور میں یہ روش بہت عام ہو چکی ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا، بلکہ اوروں کے سامنے بیٹی کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے بھی کتراتے ہیں اور اگر کوئی مبارک باد پیش کرے تو اس کے جواب میں ''جزاک اللہ خیراً'' بھی نہیں کہتے، یہ طرزِ عمل اور روش اصلاح کی محتاج ہے۔

ولا ینبغي للرجل أن یھنئ بالبنت؛ (فقط) بل یھنئ بھما، أو یترك التھنئة (بھما)؛ لیتخلص من سنة الجاھلیة؛ فإن کثیراً منھم کانوا یھنئون بالابن وبوفاة البنت دون ولادتھا.

(تحفة المودود بأحکام المولود، الباب الثالث: في استحباب بشارة من ولد له ولد و تھنئته، ص: 58، دار ابن القیم)

مبارک کن الفاظ سے دی جائے؟

بچے کی پیدائش پر مبارک باد دینا مستحب ہے، اب یہ مبارک باد کن الفاظ سے دی جائے؟ امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے بچے کی والدہ کو یہ پیغام بھجوایا "بارك الله لكِ فیه وجعله براً تقیاً". (مسند البزار، من حدیث النضر بن أنس، عن أنس، رقم الحدیث: 7310، 13/ 496، مؤسسة

علوم القرآن) صاحب مجمع الزوائد علامہ ہیثمیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، "رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح". (مجمع الزوائدو منبع الفوائد، رقم الحديث: 15421، دار الفكر)

تنبیہ: اگر کسی کو مذکورہ دعا عربی میں نہ آتی ہو تو اسے چاہیے کہ جس زبان کا ہو، اسی زبان میں مبارک باد دے دے۔ نیز! جس کو مبارک باد دی جائے، وہ بھی اسے جواب میں "جزاک اللہ خیرا" کہہ دے۔ اس موقع پر لمبی چوڑی ضیافتیں کرنا، ہدیہ دینے میں مبالغہ کرنا اور اسے ضروری سمجھنا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کے ہدیے دینے کے لیے قرض لینا وغیرہ سب غیر شرعی امور ہیں، جن سے گریز کرنا چاہیے۔

حصول اولاد کے بعد اولاد کی تربیت، کفالت اور حقوق سے متعلق شریعت نے بہت واضح انداز میں احکامات ذکر کیے ہیں، ان کی تفصیلات پر مستقل تصانیف اس وقت منظرِ عام پر آچکی ہیں، یہاں صرف اس باب سے متعلق تھوڑا تھوڑا اشارہ کرنا مقصود ہے، تاکہ اس شعبہ سے واقفیت حاصل ہو جائے اور پھر بوقتِ ضرورت مطوّلات (یعنی: اس موضوع پر لکھی گئی بڑی کتب) کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت

اولاد کی تربیت، کفالت اور حقوق کے بے شمار فضائل ذخیرہ احادیث میں ملتے ہیں، لیکن ان سے ہٹ کے اولاد پر خرچ کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ اجر ہے، بلکہ صرف اولاد پر ہی نہیں اور بہت سارے اعزہ ایسے ہیں جن پر خرچ کرنے کی فضیلت احادیث میں مذکور ہے۔ مثلاً: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو جو کچھ خود کھائے گا وہ تیرے لیے صدقہ ہوگا اور جو تو اپنی اولاد کو کھلائے گا، وہ بھی تیرے لیے صدقہ ہوگا اور جو کچھ تو اپنی بیوی کو کھلائے گا وہ بھی

تیرے لیے صدقہ ہوگا، اور جو تو اپنے خادم کو کھلائے گا وہ بھی تیرے لیے صدقہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

عن مقدام بن كرب رضي الله عنه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: "ما أطعمت نفسك، فهو لك صدقة، وما أطعمت ولدك، فهو لك صدقة، وما أطعمت زوجتك، فهو لك صدقة، وما أطعمت خادمك، فهو لك صدقة".

(الأدب المفرد للبخاري، باب: "فضل من عال ابنته"، ص: 58، رقم: 82، مكتبة الدليل)

البتہ اس صدقہ کے ثواب کا حصول نیت کے ساتھ مربوط ہے، کہ جو اس کی نیت کرے گا، وہ یہ ثواب پائے گا۔ جیسا کہ علامہ مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"إن نوى في الكل كما دلّ عليه تقييده في الخبر الصحيح بقوله: "وهو يحتسبها" فيحمل المطلق على المقيد". (فيض القدير، حرف الميم، رقم الحديث: 7824، دار الكتب العلمية)

پھر ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بہترین صدقہ اپنی اس بیٹی پر خرچ کرنا ہے جو (اپنے شوہر کی وفات کے بعد یا طلاق ملنے کے بعد) اپنے والدین کے گھر لوٹ آئی ہو۔ ملاحظہ ہو:

"عن سراقة بن مالك رضي الله عنه أن النبي

ﷺ قال:ألا أدلك على أفضل الصدقة؟ إن من أعظم الصدقة أجراً،ابنتك مردودة إليك، ليس لها كاسب غيرك".(المعجم الكبير، سراقة بن مالك كان ينزل في ناحية المدينة، 7/ 169،رقم الحديث: 6591، مكتبة العلوم و الحكم)

تربیتِ اولاد کی اہمیت:

موجودہ دور میں ہر شخص دنیا کے دھندوں میں لگ کر اپنے عزیز وا قارب اور گھر بار سے دور ہو چکا ہے، باپ مال کمانے کی دوڑ میں ہے تو ماں بھی اسی فکر میں سرگرداں ہے، اوروں کی تو دور کی بات ہے، اپنی حقیقی اولاد کی تربیت سے بھی غافل ہو چکے ہیں، اس کام کے لیے ملازمہ/آیا رکھی جاتی ہے، واضح رہے کہ یہ طرزِ عمل اور روش ٹھیک نہیں ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حق الولد على والده أن يحسن إسمه، ويحسن من مرضعه، ويحسن أدبه".(شعب الإيمان، باب في حقوق الأولاد والأهلين، رقم الحديث: 8667، 6/ 402،دار الكتب العلمية)

ارشاد فرمایا:"والد کے ذمہ اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اور اسے دودھ پلانے والی کے ساتھ احسان کرے اور اس کو اچھا ادب سکھلائے"۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عن عثمان الحاطبي قال: سمعت ابن عمر يقول

لرجل: "أدب ابنك فإنك مسؤل عن ولدك: ماذا أدّبته؟ وماذا علّمته؟ ". (شعب الإيمان للبيهقي، باب في حقوق الأولاد، رقم الحديث: 8662، 6/400، دار الكتب العلمية)

فرمایا: ''اپنی اولاد کو ادب سکھلاؤ، قیامت والے دن تم سے تمہاری اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا، کہ تم نے اسے کیا ادب سکھلایا؟ اور کس علم کی تعلیم دی؟''۔

مذکورہ احادیث میں اچھا نام رکھنے، ادب سکھلانے، دینی تعلیم دینے کا ذکر ہے، اس کے علاوہ احادیثِ مبارکہ میں بچوں کی تربیت سے متعلق بہت سارے احکام مذکور ہیں، مثلاً: سب سے پہلے کلمہ طیبہ ''لا إلہ إلا اللہ'' سکھلانا، ایمان کی باتیں سکھلانا، قرآنِ پاک سکھلانا، نماز سکھلانا اور اس کی عادت ڈالنا، ان کی اخلاقی تربیت کی خاطر ان کے بستر (بلوغت سے پہلے ہی) الگ کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ تربیتی اعمال ہیں جن کے اختیار کرنے کا حکم بچے کے بالغ ہونے سے پہلے ہی دے دیا گیا ہے۔

اگر بچوں کی تربیت اچھے طریقے سے کر دی جائے تو جہاں یہ بچہ ایک انسانِ کامل اور ایک فردِ کامل بنے گا، وہیں یہ بچہ ایک صالح معاشرے کے لیے ایک مضبوط بنیاد بھی ثابت ہوگا۔ یہ بچہ خود با مقصد زندگی گذارنے کے ساتھ ساتھ بہت سارے دیگر انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی والے کاموں کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس کی صحیح اور اچھی تربیت نہ کی گئی تو سب سے پہلے اس کا وجود معاشرے کے لیے بوجھ اور وبال بنے گا اور خود اس کی زندگی جانوروں والی زندگی ہوگی، ایسے فرد سے خیر کی توقع ایک عبث کام ہوگا۔

نیز! اولاد کی دینی تربیت کے باعث والدین کی دنیا میں بھی نیک نامی ہوگی اور

آخرت میں بھی سرخ روئی ان کا مقدر بنے گی، جب کہ اس کے برعکس ناخلف (نافرمان) اولاد والدین کے لیے دنیا میں بھی وبالِ جان ہوگی اور آخرت میں بھی اللہ کے سامنے رسوا کروانے کا سبب بنے گی۔

تربیت کی دو قسمیں:

اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ تربیت دو قسم کی ہوتی ہے:

اول: اولاد کی تربیت ظاہری اعتبار سے،

دوم: اولاد کی تربیت باطنی اعتبار سے

اوپر ذکر کردہ حدیثِ مبارکہ میں بچوں کی باطنی اعتبار سے تربیت کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ ظاہری اعتبار سے تربیت میں اولاد کی شکل وصورت، سر کے بالوں (ڈاڑھی، مونچھ، بغل وزیرِ ناف کے بالوں) کی شرعی ہیئت، شرعی لباس، طور اطوار (کھانا کھانے، پانی پینے، اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے وغیرہ) جیسے کام داخل ہیں، اس کے علاوہ اس بات پر نظر رکھنا بھی ظاہری تربیت میں داخل ہے کہ بچوں کو دوسروں سے پیسے مانگنے یا کھانے پینے والی اشیا مانگنے، چھوٹی موٹی چیزیں یا پیسے چرانے یا دوسروں کو اذیت دینے والی شرارتیں یا بدتمیزی سے بولنے کی عادت نہ پڑے۔ اسی طرح بچوں کی گھر سے باہر والی زندگی، اس کے دوست یار، اس کے تفریحی مشاغل کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔ اس کے تعلیمی مراحل (دینی ہو یا عصری) کو اپنی نگرانی میں مکمل کروانا، اس کے اساتذہ سے مل کے اس کی تعلیمی حالت وکیفیت سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے، نمازوں کے اوقات میں جب اولاد تنہا مساجد کی طرف جائے تو اس بات کی تسلی کرنا کہ وہ واقعتاً مسجد میں ہی گئے ہیں، ضروری ہے۔ نیز! جب اولاد کمانے کے قابل ہو جائے اور کمانے لگے تو ان کے ذرائع معاش کی نگرانی کرنا بھی اولاد کی ظاہری تربیت میں داخل ہے۔

نومولود سے متعلق شرعی احکام

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''اولاد کی (ظاہری و باطنی) تربیت کا وقت اور موقع سمجھ داری اور عقل والی عمر ہے''۔

قال الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله: "وأما التعليم والتأديب، فوقتهما أن يبلغ المولود من السن والعقل مبلغاً يحتمله".

(شُعب الإيمان للبيهقي، الستون من شعب الإيمان في حقوق الأولاد والأهلين، 11/126، مكتبة الرّشد)

اس عمر تک پہنچنے سے پہلے اس بچے کے والدین پر اس کے کچھ حقوق اور احکامات متوجہ ہوتے ہیں، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج واثرات بھی نہایت اہمیت کے حامل ہیں، ایسے احکامات کی تعداد چھ ہے:

(1) کان میں اذان دینا۔ (2) تحنیک کرنا۔

(3) نام رکھنا۔ (4) عقیقہ کرنا۔

(5) سر کے بال مونڈنا اور ان بالوں کے وزن کے برابر صدقہ کرنا۔

(6) ختنہ کرنا۔

پہلا حکم: اذان دینا

- نومولود سے متعلق سب سے پہلا حکم اس کے کان میں اذان دینے کا ہے، اذان کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس دنیا میں آنے والا نیا مہمان اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہی شیطان کے اثر سے محفوظ ہو جائے اور سب سے پہلے اس بچے کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (''اللہ اکبر'' کے ذریعے)، اللہ رب العزت کے علاوہ دیگر معبودانِ باطلہ کی نفی (''اشھد

ان لا الــه الا الـلـه" کے ذریعے)، رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت ("أشهد أن محـمـدا رسول الله" کے ذریعے)، اسلام کے سب سے بڑے اور اہم ترین عمل نماز کی دعوت اور اس میں کامیابی کی خبر ("حـيّ عـلى الصلاة "اور" حـيّ على الفلاح" کے ذریعے) ڈالی جاتی ہے۔

قـال الإمـام أحـمـد بـن حـنبل رحمه الله: "وأما التعليم والتأديب، فوقتهما أن يبلُغ المولود من السن والعقل مبـلغاً يحتمِله وذلك يتـفرع. فمنها: أن يُنشَّئِه على أُخلاق صُـلـحـاء الـمسـلـميـن، ويـصونه عن مخالطة المفسِدين، ومـنهـا: أن يُـعـلِّـمـه القرآن ولسانَ الأدب ويُسمِعه السُنَن، وأقـاويـل السـلَف، ويُـعـلِّمه من أحكام الدين ما لا غِنى به عنه، ومنها: أن يُرشِدَه من المَكاسِب إلى ما يُحمَد ويُرجىٰ أن يـرُدَّ عـليـه كـفـايتُـه، فإذا بلَغ أحدُهم حدَّ العقل عُرِّفَ البارئَ جلَّ جلالُه إليه بالدلائل التي توصِله إلىٰ معرفته من غيـر أن يُسـمِعه من مقالات المُلحدين شيئاً، ويذكرهم له في الجملة أحياناً، ويُحذِّره إيّاهم، ويُنفِّره عنهم، ويُبغِّضُهم إليـه ما استطاع، ويُبدَأ من الدلائل بالأقرب الأجلى، ثم ما يـليـه، وكـذٰلك يُـفـعَـل بالدلائل الدالة علىٰ نبوةِ نبيّنا ﷺ بهـدِيـه فيهـا إلـىٰ الأقـرب الأوضَـح، ثم الّذي يليه، وبسَط الـحـليـميّ الكلامَ في كل فصلٍ من فصولِ هذا الباب، مَن أراد الوقوف عليه رجع إليه إن شاء الله".

(شُعب الإيمان للبيهقي، الستون من شعب الإيمان في حقوق الأولاد والأهلين، 11/ 127 126، مكتبة الرّشد)

شیطان کے اثر سے حفاظت

شیطان سے حفاظت کے لیے ارشادِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اذان کا عمل ہے، اسی کا اہتمام نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے، حضرت عبید اللہ بن ابی رافع اپنے والد یعنی "ابورافع" سے روایت کرتے ہیں کہ "جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے دونوں کانوں میں اذان دی"۔

عن أبي عبيد بن أبي رافع عن أبيه، قال:" رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذني الحسن حين ولدته فاطمة بالصلاة".

(مسند أحمد بن حنبل، حديث ضميره بن سعد، رقم الحديث: 23869، 29/ 297، مؤسسة الرسالة)

مذکورہ روایت میں دونوں کانوں میں اذان دینے سے مراد دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت ہے، یعنی لفظِ اذان بول کر مجازاً اقامت مراد لی گئی ہے۔

شیطان سے بچنے کے لیے دوسرا عمل یہ بتایا کہ پیدائش کے وقت بچے کا سرپرست یہ دعا پڑھے: "إني أعيذها بك و ذريتها من الشيطان الرجيم". ایسا کرنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، باب الوسوسۃ، رقم الحدیث: ۶۹، ۱/۲۳۱، دارالکتب العلمیہ)

اذان سے متعلق مسائل:

(1) بچے کی پیدائش پر اس کے دائیں کان میں (نماز والی) اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا سنت ہے۔

(2) اس اذان اور اقامت کے بارے میں بھی وہی مسائل و احکامات ہیں، جو نماز سے قبل دی جانے والی اذان کے ہیں، مثلاً: اذان دینے والے کا مسلمان، عاقل، بالغ یا قریب البلوغ سمجھ دار، مرد ہونا، باوضو ہونا، جنبی نہ ہونا، قبلہ رو ہونا، کھڑا ہونا، اذان ٹھہر ٹھہر کے دینا اور اقامت میں کلمات (بنسبت اذان کے) جلدی جلدی ادا کرنا، البتہ اس اذان و اقامت میں "الصلاۃ خیر من النوم" کہنے کی اور "حيّ علی الصلاۃ" کہتے ہوئے چہرہ دائیں طرف پھیرنے کی، "حيّ علی الفلاح" کہتے ہوئے چہرہ بائیں طرف پھیرنے کی ضرورت، آواز بلند کرنے کی، کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی، اذان کے کلمات بہت زیادہ ٹھہر ٹھہر کے دینے کی ضرورت نہیں ہوتی، تاہم اگر یہ امور کر بھی لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(3) بچے کی پیدائش کے بعد اذان کے لیے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ اس کو غسل دے دیا گیا ہو، البتہ جسم پر لگی ہوئی نجاست و غلاظت کو صاف کر لینا چاہیے۔

(4) اذان دینے میں زیادہ تاخیر پسندیدہ نہیں ہے، تاہم اگر کسی عذر کی وجہ سے اس میں تاخیر ہو (جیسے بعض حالات میں ولادت کے فوراً بعد بچے میں کچھ کمزوری یا پیدائشی مرض وغیرہ کی وجہ سے انتہائی نگہداشت کی شیشے والی مشینوں یا مخصوص درجہ حرارت والی جگہ میں رکھا جاتا ہے، اسے باہر کے ماحول میں نہیں نکالا جاتا، تو ایسی صورت حال میں اگر کچھ تاخیر بھی ہو جائے) تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ بعد میں اذان دے دی جائے۔

(5) مستحب یہ ہے کہ کسی نیک، صالح، باشرع شخص سے اذان دلوائی جائے۔

دوسرا حکم: تحنیک کرنا

بچے کے کان میں اذان دینے کے بعد دوسرا مسنون عمل تحنیک کا ہے، تحنیک کا مطلب یہ ہوتا ہے: ''کسی نیک، صالح، متبع سنت بزرگ کے منہ میں چبائی ہوئی کھجور یا اس کے لعاب میں ملی ہوئی کوئی بھی میٹھی چیز بچے کے منہ میں ڈال کے اس کے تالو کے ساتھ چپکانا، تاکہ یہ لعاب اس بچے کے پیٹ میں چلا جائے اور اس طرح اس نیک بزرگ کی نیکی کے اثرات اس بچے کے اندر منتقل ہوں''۔

قال أهل اللغة :"التحنيك أن يمضغ التمر أو نحوه ثم يُدَلَّكُ به حَنَك الصغيرِ" وفيه لغتان مشهورتان :حَنَكْتُه وحَنَّكْتُه بالتخفيف والتشديد.

(شرح النووي على مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع و كيفية غسله: 1/462،رقم الحديث:688،دار الكتب العلميه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے پاس نومولود بچوں کو لایا جاتا تو آپ ﷺ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور ان کی تحنیک فرماتے تھے۔

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ : كان يؤتى بالصبيان، فيبرّك عليهم ويُحنّكهم.

(صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته و حمله إلى صالح يحنكه، رقم الحديث: 2147،بيت الافكار)

تحنیک کا مقصد:

تحنیک کا مقصد یہ ہے کہ بچے کے پیٹ میں پہلی غذا کسی نیک بزرگ کا لعاب جائے، تاکہ اس سے برکت کا حصول ہو۔

وقوله: "ويحنكهم" ليكون أول ما يدخل أجوافهم ما أدخله النبي ﷺ لا سيما بما مزجه به من ريقه و تفله في فيه.

(إكمال المعلم للقاضي عياض، كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع و كيفية غسله، رقم الحديث: 688، دار الوفاء)

تحنیک سے متعلقہ مسائل:

(1) اذان کے بعد پہلا کام تحنیک کا عمل کرنا ہے، یہ عمل مسنون ہے۔

(2) تحنیک کسی نیک شخص سے کروانی چاہیے، تاکہ یہ بچے کے ایمان اور نیک عمل کی بنیاد بنے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"والحكمة فيه أنه يتفاؤل له بالإيمان لأن التمر ثمرة الشجرة التي شبهها رسول الله ﷺ بالمؤمن، وبحلاوته أيضاً، ولا سيما إذا كان المحنِّكُ من أهل الفضل والعلماء والصالحين، لأنه يصل إلى جوف المولود من ريقهم، ألا ترىٰ أن رسول الله ﷺ لما حنك عبدالله بن الزبير حاز من الفضائل والكلمات ما لا يوصف، وكان

قارئاً للقرآن، عفیفاً في الإسلام".

(عمدة القاري، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن يعق عنه و تحنيكه: 21/125، دار الكتب العلمية)

(3) افضل یہ ہے کہ تحنیک کھجور سے کی جائے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو چھوہارہ اور اگر چھوہارہ بھی نہ ہو تو اس کو شہد چٹا دیا جائے، یا پھر کوئی بھی میٹھی چیز چبا کے یا اپنے منہ میں چوس کے بچے کے منہ میں ڈال دی جائے، البتہ اس میں یہ خیال رکھا جائے کہ وہ چیز آگ پر پکی ہوئی نہ ہو، بلکہ کوئی پھل وغیرہ ہو۔

وأولاه التمر، فإن لم يتيسر تمر، فرطب وإلا فشيء حلو و عسل النحل أولىٰ من غيره، ثم ما لم تمسه نار كما في نظيره مما يفطر الصائم عليه.

(فتح الباري، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن يعق عنهو تحنيكه: 9/588، دار المعرفة)

تیسرا حکم: نام رکھنا

عام طور پر کتب میں نام رکھنے کا ذکر عقیقہ کے بعد کیا جاتا ہے، لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے نام رکھنے کا عمل عقیقہ کرنے سے قبل ہونا چاہیے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیقہ کرتے وقت جو دعا پڑھنا مستحب ہے، اس میں بچے کا نام لیا جاتا ہے، اس بناء پر پہلے بچے کا نام رکھنا چاہیے، پھر عقیقہ کرنا چاہیے، اچھا نام رکھنا نبی اکرم ﷺ کو بہت پسند تھا، اس کی ترغیب دی جاتی تھی، اگر آپ ﷺ کے اصحاب میں کسی کا نام اچھا نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کا نام تبدیل بھی فرمادیا کرتے تھے، یعنی: اچھا نام آپ ﷺ کو پسند اور

بُرا نام ناپسند ہوتا تھا۔

اچھے نام کی ترغیب اور اہمیت:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''بے شک قیامت کے دن تمہیں تمہارے اور تمہارے باپوں کے نام سے پُکارا جائے گا، اس لیے تم اپنے اچھے نام رکھا کرو''۔

عن أبي درداء رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: "إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم، فأحسنوا أسمائكم".

(سنن أبي داؤد، كتاب الآداب، باب في تغيير الأسماء، رقم: 4950، 5/ 149، دار ابن حزم)

اس حدیثِ مبارکہ سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ قیامت کے دن مخلوقاتِ عالم کے سامنے بندوں کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا، چنانچہ اچھے ناموں کے اچھے اثرات اور برے ناموں کے برے اثرات ظاہر ہوں گے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان کو اس کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا، بعض دیگر روایات میں انسان کو ماں کے نام سے پکارے جانے کا ذکر ہے، لیکن یہ روایات احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہیں۔ صحیح اور مستند بات یہ ہی ہے کہ باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔

بچے کا نام رکھنے کا وقت:

بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھنا افضل ہے، جیسا کہ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے، اور ان کے والد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ''نبی اکرم ﷺ نے پیدا ہونے والے بچے کا نام ساتویں دن رکھنے کا حکم فرمایا''۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده:" أن النبي ﷺ أمر بتسمية المولود يوم سابعه، ووضعِ الأذىٰ عنه، والعق".

(سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في تعجيل إسم المولود، رقم الحديث: 2758، 5/132، مطبعه مصطفىٰ البابي الحلبي)

اس کے علاوہ اگر بچے کا نام کسی وجہ سے پیدائش کے فوراً بعد رکھنا پڑ جائے، یا نام رکھنے میں ساتویں دن سے کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، تاہم بلا وجہ بہت زیادہ تاخیر کرنا خلافِ سنت ہے، ساتویں دن سے قبل اگر نام رکھنا تجویز ہو رہا ہو تو اس کی یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے، کہ نام تو پہلے سوچ لیا جائے، لیکن طے ساتویں دن کرلیا جائے۔

وقال الخطابي:"ذهب كثير من الناس إلى أن التسمية تجوز قبل ذلك". وقال محمد بن سيرين و قتادة والأوزاعي:" إذا ولد وقد تم خلقه، يسمىٰ في الوقت إن شاء". وقال المهلب:"وتسمية المولود حين يولد وبعد ذلك بليلة أو ليلتين وما شاء إذا لم ينوِ الأبُ العقيقةَ عند يوم سابعه جائز، وإن أراد أن ينسكه عنه، فالسنة أن تُؤخَّر التسمية إلىٰ يوم النسك، وهو السابع".

(عمدة القاري، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن يعق عنه و تحنيكه: 21/125، دار الكتب العلمية)

اچھے اور بُرے ناموں کے اثرات:

یوں تو دیکھنے میں نام رکھنا چھوٹی سے بات ہے، لیکن اس کے اثرات دینی اور دنیوی زندگی میں مرتب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ بہت ہی زیادہ اہتمام سے برے نام تبدیل فرمایا کرتے تھے، ناموں کے اثرات انسان کے اعمال واحوال پر پڑنے کا ذکر احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ اور آثارِ صحابہ میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسیّب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ''ان کے باپ نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، نبی اکرم ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرا نام ''حزن'' (یعنی: غم اور سختی) ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: [نہیں! بلکہ] تمہارا نام ''سہل'' (یعنی: آسانی والا) ہے، تو انہوں نے کہا کہ میں اس نام کو نہیں بدلوں گا جو میرے والد نے رکھا ہے''۔ حضرت ابن مسیب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہمارے گھر میں غم کے حالات ہی پیش آتے رہے۔

عن ابن المسيب عن أبيه أن أباه جآء إلى النبي ﷺ فقال: "ماسمك؟" قال: حُزنٌ، قال: "أنت سهلٌ" قال: لا أُغيِّرُ اِسماً، سمّانيه أبي، قال ابن المسيب: فما زالت الحزونةُ فينا بعدُ.

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب إسمِ الحُزن، رقم الحديث: 6190، 9/43، دار طوق النجاة)

اسی طرح حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ''جمرہ'' (اس کا مطلب ہے، چنگاری)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کس کے بیٹے ہو؟ اس نے

جواب دیا کہ ''شہاب'' (یعنی: شعلے) کا بیٹا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد معلوم کیا کہ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ''حرقہ'' (یعنی: آگ جلانے والے) قبیلہ سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر معلوم کیا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ ''حرۃ النار'' (آگ کی گرمی) میں رہتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر معلوم کیا کہ یہ ''حرۃ النار'' کہاں واقع ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ''ذات اللظی'' (یعنی: بھڑکتی ہوئی آگ کے علاقے) میں ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اپنے گھر والوں کی خبر لو، وہ جل گئے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس نے جا کر دیکھا تو ویسے ہی پایا، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

عن يحيٰ بن سعيد؛ أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال لرجل: ما اسمك؟ فقال: جمرة، فقال: ابن مَن؟ فقال: ابن شهاب، قال: ممن؟ قال: من الحُرَقة، قال: أين مسكنك؟ قال: بحرة النار، قال: بأيها؟ قال: بذات لظَى، قال عمر: أدرِكْ أهلك، فقد احترقوا، قال[الراوي]: فكان كما قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

(الموطا لابن الإمام مالك، كتاب، باب ما يكره من الأسماء، رقم الحديث: 2790، 2/566، دار الغرب الإسلامي)

مندرجہ بالا روایات سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے، کہ ناموں کے اثرات انسان پر پڑتے ہیں، لہٰذا نام رکھنے سے قبل خوب اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ ہم کس طرح کا نام اختیار کر رہے ہیں؟!

اچھے اور بُرے ناموں کی پہچان:

ابھی تک یہ بات تو واضح ہو چکی کہ اچھے اور برے ناموں کے انسانی زندگی پر باقاعدہ اثرات مرتب ہوتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کون سے نام اچھے شمار ہوتے ہیں اور کون سے بُرے؟ تو اس کا اندازہ حضرت ابو وہب جُشَمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوسکتا ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم (اپنی اولاد کے) نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر رکھو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نام "عبداللہ اور عبدالرحمٰن" ہیں، اور زیادہ سچ ثابت ہونے والے نام "حارث اور ہمام" ہیں، اور زیادہ بُرے نام "حرب اور مرۃ" ہیں۔

عن أبي وهب الجُشَمي (وكانت له صحبة) قال: قال رسول الله ﷺ: "تسموا بأسماء الأنبياء، وأحب الأسماء إلى الله عبد الله و عبد الرحمن، وأصدقها حارث و همام، وأقبحها حرب و مرّة".

(سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، رقم: 4950، 5/149، دار ابن حزم)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے چار باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

پہلی بات:

بچوں کے نام وہ رکھے جائیں جو انبیاء علیہم السلام کے نام تھے، انبیاء کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھنا افضل اور مستحب ہے، انبیاء کرام کے نام جو کتب میں ملتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں: آدم، شِیث، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسُف، ایوب، ذُوالکِفل، یونُس، شعیب، موسیٰ ہارون، یُوشع، داوٗد، سلیمان، الیاس، الیَسَع، زَکَریا، یحییٰ، عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوات والتسلیمات۔

علاوہ ازیں سرکارِ دو عالم ﷺ کے نام ایک سے زیادہ ہیں، اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی طرف جن ناموں کی نسبت کی ہے، وہ چند ہی ہیں، ان کی تعداد اور تفصیل مختلف احادیث میں مختلف آئی ہے، ان سب کے مجموعے کو سامنے رکھتے ہوئے آپ علیہ السلام کے مندرجہ ذیل نام سامنے آتے ہیں: مُحمَّد ، احمد ، المَاحِي ، الحاشِر ، خاتَم ، العاقِب ، المُقَفِّي ، نَبيّ التوبة ، نبيّ المَلحَمَة ، نبيّ المَلاحِم ، نبيّ الرَّحمة ، المُتَوكِّل ، المُختار.

اس کے علاوہ اور بہت سے نام آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے گنوائے جاتے ہیں، تو جاننا چاہیے کہ ان ناموں میں سے بہت سے نام حضور ﷺ کی صفات ہیں، ان پر ''نام'' کا اطلاق مجازاً کر دیا جاتا ہے، یعنی: یہ آپ ﷺ کے حقیقی نام نہیں ہیں، بلکہ مجازاً انہیں نام کہہ دیا جاتا ہے، بہر حال آپ ﷺ کے ذاتی وصفاتی ناموں میں جو نام آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہیں، ان ناموں کو رکھا جا سکتا ہے، مثلاً: خاتَم ، نَبيّ التوبة ، نبيّ المَلحَمَة ، نبيّ المَلاحِم ، نبيّ الرَّحمة، رحمةٌ للعالمين، وغیرہ کے علاوہ اور نام رکھے جا سکتے ہیں۔

دوسری بات:

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام ''عبداللہ اور عبدالرحمٰن'' ہیں، ان ناموں کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان ناموں میں اللہ کے ذاتی نام ''اللہ'' اور اللہ کے صفاتی نام ''الرحمٰن'' کی طرف ''عبد'' کی اضافت کا ہونا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی طرف سے عبدیت کا اظہار پسند ہے، اور ان ناموں کے ذریعے اظہارِ عبدیت علیٰ وجہ الکمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ نام رکھنے کے بارے میں بھی تفصیل ہے، اللہ تعالیٰ کے ناموں کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور صفاتی، ذاتی نام صرف ''اللہ'' ہے۔ اس ذاتی نام

کو کسی انسان کے لیے رکھنا جائز نہیں ہے، پھر صفاتی ناموں کی دو قسمیں ہیں: ایک جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً: ''رحمان، خالق، رزاق، قدوس، صمد، قیوم، باری، غفار، متکبر، قہار، احد، ذوالجلال والاکرام'' وغیرہ، دوسرے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں، مثلاً: سمیع، بصیر، رحیم، علیم، رؤف، ستار، جمیل، اکرم، مالک، ماجد، رافع، باسط، قائم، معطی وغیرہ، ان میں سے پہلی قسم والے صفاتی نام رکھنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ نام ''عبد'' کی اضافت کے ساتھ رکھے جائیں تو جائز ہے، اور اگر عبد کی اضافت کے بغیر رکھے جائیں تو جائز نہیں ہے، اسی طرح لفظِ عبد کے بغیر ان ناموں کا استعمال انسانوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور دوسری قسم کے نام اضافت کے بغیر بھی رکھے جا سکتے ہیں، لیکن پسندیدہ نہیں ہے، البتہ! اس قسم کے ناموں کے رکھنے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ان ناموں کے وہ معنیٰ مراد نہ لیے جائیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا سمیع، بصیر، علیم، رحیم، عزیز، مالک ہونا کامل، ذاتی اور نقص سے خالی ہے، اور مخلوق کے اندر یہ معنیٰ عطائی اور نقص والے ہیں، مطلب یہ کہ ان ناموں کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا تو اس کے خاص معنیٰ ہوں گے اور اگر ان ناموں کا استعمال بندوں کے لیے ہوگا تو ان کے معنیٰ اور ہوں گے۔

تیسری بات:

ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچ ثابت ہونے والے نام حارث اور ہمام ہیں، ''حارث'' کے معنی کمانے والا اور ''ہمام'' کے معنیٰ ارادہ کرنے والا ہیں، چونکہ ہر شخص کمانے والا بھی ہے اور ارادہ کرنے والا بھی، اس لیے ان ناموں سے متعلق فرمایا کہ یہ نام سب سے زیادہ سچ ثابت ہونے والے ہیں۔ اچھے اور سچے ناموں میں اسمائے باری تعالیٰ، اسمائے انبیاء کرام، اسمائے صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ہر وہ نام جن کے معنیٰ اچھے ہوں،

بُرے نہ ہوں، تو ان ناموں کا رکھنا مستحسن اور افضل ہے۔

چوتھی بات:

چوتھے نمبر پر ارشاد فرمایا کہ زیادہ بُرے نام ''حرب اور مُرّۃ'' ہیں، اس کی وجہ یہ کہ ''حَرب'' کے معنیٰ جنگ اور لڑائی کے ہیں اور ''مُرّۃ'' کے معنیٰ کڑوہ کے ہیں، بوجہ ان ناموں کے معنیٰ بُرے ہونے کے ان ناموں کے رکھنے سے منع فرمایا گیا۔ برے ناموں میں شرکیہ نام، شیطانی نام، متبعین شیطان کے نام، مہمل (جن کا کوئی معنیٰ نہ ہو) نام اور ہر وہ نام داخل ہیں جن کے معنیٰ برے ہوں۔

ذیل میں ان تمام قسموں کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے:

(1) شرکیہ ناموں سے مراد وہ نام ہیں، جن میں عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہو، مثلاً: عبد الرسول، عبد النبی، عبد الحسین، عبد المصطفیٰ، عبد الحجر، نبی بخش، رسول بخش، علی بخش، حسین بخش، حسین بخش، پیر بخش اور قلندر بخش وغیرہ۔

(2) شیطانی ناموں سے مراد وہ نام ہیں جو شیطان کے ہوں یا جن ناموں کی نسبت شیطان کی طرف ہو، مثلاً: ابلیس، شیطان، حُباب، اجدع، خنزب، اعور، ولہان وغیرہ۔

(3) شیطان کے متبعین سے مراد فرعون، شداد، قارون، نمرود، ابولہب، ابو جہل وغیرہ ہیں۔ نیز! اسی طرح جو نام کفار کے دیوی دیوتاؤں کے ہوں وہ بھی رکھنا جائز نہیں ہیں، مثلاً: کرشن، ہری لال، ہری چندر وغیرہ۔

(4) اسی طریقے سے جن ناموں کو نبی اکرم ﷺ نے تبدیل کیا، ان کی وجہ ان ناموں کے معانی ناپسندیدہ ہونا تھے، مثلاً: عاص، عاصیۃ، اصرم، شھاب، غُراب، عُتلہ، نُعم، زَحم، قلیل، مِیسَم، اَسود، حَرب، عَفْرَبۃ وغیرہ۔ یہ ایسے نام ہیں جن کے معانی اپنے مفہوم کے

اعتبار سے ٹھیک نہیں تھے، آپ ﷺ نے یہ نام تبدیل کر کے ان کی جگہ دوسرے اچھے معانی ومفہوم والے نام رکھے۔

(5) مہمل ناموں سے مراد وہ نام ہیں جن کے اپنے کوئی معنی نہ ہوں، بلکہ انہیں محض رسمی طور پر یا کسی دن، جگہ یا رمضان کی نسبت سے رکھا گیا ہو، مثلاً: پیرو، منگل خان، بدھو، جمعراتی، جمعہ خان، رمضان خان، دریا خان، سمندر خان، شادی خان، شیر خان وغیرہ، ایسے نام رکھنا نہایت غلط طرزِ عمل ہے، اس سے بچنا اور بچانا لازم ہے۔

نام رکھنے سے متعلق کچھ مسائل:

(1) بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام رکھنا مسنون ہے۔

(2) اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور ساتویں دن سے پہلے، یعنی: نام رکھنے سے پہلے فوت ہو جائے تو بھی اس کا نام رکھنا مستحب ہے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس کا نام رکھنے کی ضرورت نہیں اور اگر کسی نے رکھ دیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ بعض کے نزدیک نام رکھا جائے گا، اس لئے رکھ لینا بہتر ہے۔

(3) بچوں کے نام شرعی ضابطے کے مطابق رکھنا چاہیے، اگر کسی نے اپنی اولاد کے نام اسلامی اصولوں کے خلاف رکھے تو وہ اللہ کا مجرم شمار ہوگا، ان پر ایسے ناموں کو تبدیل کرنا لازم ہے، اگر والدین ایسے نام تبدیل نہ کریں تو اولاد پر لازم ہے کہ بڑے ہو کر اپنے نام تبدیل کر کے اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح نام رکھیں۔

(4) بعض جگہ دستور ہے کہ پیدائش کے دن، وقت، مہینے اور ستاروں کی مناسبت سے نام تجویز کرتے ہیں، ان کی ذہن اور عقیدے کے مطابق اگر ایسا نہ کیا جائے، یعنی: نام رکھنے میں ستاروں کی چال کا لحاظ نہ رکھا جائے، تو ایسے نام انسان پر بھاری ہوتے ہیں، اور پھر انسان اپنے اس نام کی وجہ سے بیماریوں، مصائب اور مشکلات کا شکار ہو جاتا

ہے، ایسا عقیدہ رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، بس اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام رکھ لینا کافی ہے۔

(5) مسلمانوں کو غیر اسلامی نام رکھنا جائز نہیں ہیں، البتہ اگر کوئی قانونی مجبوری ہو، جیسے غیر مسلم ممالک میں غیر اسلامی نام ہی رکھنا ضروری ہو، تو ایسی صورت میں ایسے نام رکھنے چاہییں جو مسلم اور غیر مسلم دونوں میں مشترک ہوں، مثلاً: ابراہیم، اسماعیل، داؤد، اسحاق، سلیمان، موسیٰ، عیسیٰ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایسی جگہوں میں اس کی بھی گنجائش ہے، اصل نام تو اسلامی رکھا جائے اور عام بول چال میں اسے اسی نام سے پکارا جائے لیکن سرکاری معاملات، سکول، کالج اور ملازمت وغیرہ میں کوئی اور نام درج کروادیا جائے۔

چوتھا حکم: عقیقہ کرنا

والدین پر بچے کے حقوق سے متعلق چوتھا حکم ''عقیقہ'' کا ہے، بچے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے نام پر ایسا جانور قربان کرنا، جس کی قربانی کرنا جائز ہو، عقیقہ کہلاتا ہے۔

وهو إسم لما يذبح عن المولود..........قال الخطابي: "العقيقة إسم الشاة المذبوحة عن الولد، سميت بذلك لأنها تعق عن ذابحها، أي: تشق و تقطع". (فتح الباري لابن حجر، كتاب العقيقة: 9/ 584، دار المعرفة، بيروت)

عقیقہ کا حکم:

رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر اب تک امتِ مسلمہ میں عقیقہ کا عمل رائج چلا آرہا ہے، اس عمل کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے، (یعنی: اس عمل کو ہر دور میں امت کے ہر طبقے نے اپنائے رکھا ہے) اس وجہ سے عقیقہ کرنا سنت واستحباب کی حیثیت رکھتا ہے،

یہ عمل فرض وواجب نہیں ہے، بشرطِ وسعت مسلمانوں پر مستحب ومسنون ہے۔

إنما أخذ أصحابنا الحنفية في ذٰلك بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقيقة، لما قال ابن المنذروغيره:"إن الدليل عليه الأخبار الثابتة عن رسول الله ﷺ وعن الصحابة والتابعين"، بعده قالوا:"وهو أمر معمول به في الحجاز قديماً و حديثاً".وذكر مالك في المؤطا:"إنه الأمر الذي لا اختلاف فيه عندهم".وقال يحيىٰ بن سعيد الأنصاري التابعي، أدركت الناس وما يدعون العقيقة عن الغلام والجارية.

(إعلاء السنن،كشف الحقيقة عن أحكام العقيقة، باب العقيقة: 17 / 114، إدارة القرآن)

بعض فقہاء وعلماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے، جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ایسا نہیں ہے، ہمارے اکابرین نے ممانعین کی طرف سے یہ تأویل کی ہے کہ ان حضرات کی مراد جاہلیت والے طریقے کی نفی کرنا ہے، کہ جاہلیت والا عقیقہ اسلام میں منسوخ ہے، لہٰذا جاہلیت والے طریقے پر عقیقہ نہیں کرنا چاہیے۔

قلت :وإنما حملته عليه عبارة محمد في "مؤطئه"، قال محمد:"العقيقة بلغنا أنها كانت في الجاهلية، وقد جُعِلَت في أول الإسلام، ثم نسخ الأضحىٰ كل ذبح كان قبله......إلخ فلم أزل أتردد في مراد الإمام، حتىٰ رأيت في كتاب "الناسخ والمنسوخ" عن الطحاوي

أن محمداً قال في بعض أماليه: "إن العقيقة غير مرضية".

ثم تبيّن لي مرادُه، أنه كان يكره إسم العقيقة، لأنه يوهِم العقوق، و لكونه من أسماء الجاهلية، ولأنهم كانوا يفعلون عند العقيقة بعض المحظورات، كتلطخ الأشعار بدم الحيوان، مع ورود الحديث في النهي عن ذٰلك الإسم أيضاً، فكان مراده هذا".

(فيض الباري، كتاب العقيقة، باب إمامة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة: 5/ 647، 648، دار الكتب العلمية)

عقیقہ کا مقصد:

عقیقہ سے مقصود و مطلوبِ اصلی تو اتباع نبوی ﷺ ہی ہے، البتہ اس کے ضمن میں اور بہت سارے فوائد احادیثِ مبارکہ سے سامنے آتے ہیں، مثلاً:

(1) اولاد جیسی عظیم نعمت کی عقیقہ کی صورت میں شکر کی ادائیگی ہوتی ہے۔

قال التوربشتي: "النعمة إنما تتم على المنعم عليه بقيامه بالشكر ووظيفته والشكر في هذه النعمة ما سنّه النبي ﷺ وهو أن يعقّ عن المولود شكر الله تعالىٰ وطلباً لسلامة المولود".

(حاشية السندي على النسائي، كتاب العقيق: 4219، 7/ 166، مكتب المطبوعات الإسلامية)

(2) اولاد کی مصائب، بیماریوں اور آفات سے حفاظت عقیقہ کے ساتھ مشروط ہوتی ہے، اس عمل کی ادائیگی کے ذریعے ان مہلکات سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔

عن سمرة بن جندب، عن رسول الله ﷺ قال:"كل غلام رهين بعقيقته تذبح عنه يوم السابعة ويحلق رأسه ويسمّىٰ".

(سنن النسائي، كتاب العقيقة، رقم الحدث: 8231، 5/ 187، دار المعرفة، بيروت)

(3) اللہ رب العزت کی طرف سے ملنے والی ایک زندہ جان کا شکرانہ بصورتِ عقیقہ ادا کیا جاتا ہے، یہی شکرانہ عید الاضحیٰ والی قربانی میں بھی ہے۔

والسر في العقيقة؛ أن الله أعطاكم نفساً، فقربوا له أنتم أيضاً بنفس، وهو السر في الأضحية؛ ولذا اشترطت سلامة الأعضاء في الموضعين، غير أن الأضحية سنوية، وتلك عُمرية.

(فيض الباري، كتاب العقيقة، باب إمامة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة: 5/ 648، دار الكتب العلمية)

(4) عقیقہ کے ذریعے اولاد کے اندر سے والدین کی نافرمانی کا عُنصر (بیج) ختم کردیا جاتا ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه قال: سئل رسول الله ﷺ عن العقيقة، فقال:"لا يحب الله العقوق"، وقال:"من وُلِد له له ولدٌ، فأحب أن ينسك عنه، فلينسك عن الغلام شاتين، وعن الجارية شاة".

قال ملا العلي القاري تحت قول "لا يحب الله العقوق"،
أي:فمن شاء أن لا يكون ولده عاقاً له في كبره، فليذبح
عنه عقيقة في صغره، لأن عقوق الوالد يورث عقوق الولد
ولا يحب الله العقوق وهذا توطئة لقوله ومن ولد له
ولد......إلخ

(مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد والذبائح،باب العقيقة، رقم
الحديث: 4156، 8/ 80,81،دار الكتب العلمية)

عقیقہ کرنے کا وقت:

عقیقہ کرنے کا افضل وقت بچے کی پیدائش کا ساتواں دن ہے،اگرکوئی ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو پھر چودہویں دن یا اکیسویں دن کیا جائے،لیکن اس میں اجرکم ہے،اسی طرح کوئی شخص اپنی اولاد کا بچپن میں عقیقہ نہ کرسکا، پھر برسہا برس کے بعد اسے وسعت حاصل ہوئی اوراس وقت وہ عقیقہ کرنا چاہے تو بھی کرسکتا ہے،اسے اس وقت بھی ساتویں دن کی رعایت کرنا مستحب ہوگی،ساتواں دن پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا،اس سے پچھلے دن عقیقہ کرے، یہ دن ساتواں دن شمار ہوگا ، چاہے کتنے ہی برس گذر چکے ہوں،مثلاً: کوئی جمعرات والے دن پیدا ہوا تو اس کی پیدائش کا ساتواں دن بدھ کو بنے گا۔

السنة أفضل عن الغلام شاتان مكافئتان، وعن
الجارية شاة، تقطع جدولاً ولا يكسر لها عظم، فليأكل و
يطعم ويتصدق، وليكن ذاك يوم السابع، فإن لم يكن ففي
أربعة عشر، فإن لم يكن ففي إحدىٰ و عشرين.

(المستدرك علىٰ الصحيحين، كتاب الذبائح، طريق العقيقة وأيامها، رقم الحديث: 7703، 4/ 238، دار المعرفة)

اور اگر اکیسواں دن بھی گذر جائے تو پھر بعض علماء کے نزدیک جس دن بھی کرے، ٹھیک ہے، فضیلت برابر رہے گی، ساتویں دن کی کوئی خاص فضیلت نہیں رہے گی۔

وإن تجاوز أحداً وعشرين، احتمل أن يستحب في كل سابع، فيجعله ثمانية وعشرين، فإن لم يكن، ففي خمسة و ثلاثين، وعلىٰ هذا، قياساً على ما قبله، واحتمل أن يجوز في كل وقت؛ لأن هذا قضاء فائت، فلم يتوقف، كقضاء الأضحية وغيرها. وإن لم يعق أصلاً، فبلغ الغلام، وكسب، فلا عقيقة عليه. وسئل أحمد عن هذه المسألة، فقال: "ذلك علىٰ الوالد". يعني: لا يعق عن نفسه؛ لأن السنة في حق غيره.

(المغني لابن قدامة، كتاب الذبائح، باب ويذبح يوم السابع، المسألة: 1771، 13/ 397، دار عالم الكتب)

عقیقہ میں کتنے جانور ذبح کیے جائیں گے؟

عقیقہ میں سنت یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے گا، چاہے یہ جانور نر ہو یا مادہ؛ البتہ اگر لڑکے کے عقیقے کے لیے دو جانور نہ ہوں تو ایک جانور ذبح کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

عن أم كرز أن رسول الله ﷺ قال: "عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة، لا يضركم ذكراناً أم إناثاً".

(سنن النسائي، كتاب العقيقة، كم يعق عن الجارية؟رقم
الحديث: 4229، 7/ 183، دار المعرفة)

عقیقے میں کون سے جانور ذبح کیے جائیں گے؟

عقیقہ کے لیے ان تمام جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے، جنہیں قربانی میں ذبح کرنا جائز ہے، یعنی: گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، بھیڑ، مینڈھا، بکرا، بکری، دنبہ، دنبی وغیرہ۔ لہذا جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، انہیں عقیقہ میں بھی ذبح کرنا جائز نہیں ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جو جو احکام قربانی کے جانوروں کے لیے ہیں، وہی احکام عقیقے کے جانوروں کے لیے بھی ہیں۔

قلت: هو مختلف فيه حسن الحديث، وفيه أنه سماه نسيكة و نسكا وهو يعم الإبل والبقر والغنم اجماعاً. لا يجزئ فيه ما دون الجذعة من الضأن ودون الثنية من المعز ولا يجزئ فيه إلا السليم من العيوب، لأنه ﷺ سماه نسكا، فلا يجزئ إلا ما يجزئ في النسك.

(إعلاء السنن، كشف الحقيقة عن أحكام العقيقة، باب العقيقة: 17 / 117، إدارة القرآن)

عقیقے سے متعلق مسائل:

(1) بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ومستحب ہے، اس عمل کو ہر حال میں لازم سمجھنا، وسعت نہ ہوتے ہوئے بھی اسے کرنا، اس عمل کے لیے قرضہ لینا، لمبی چوڑی دعوت کا اہتمام کرنا سب امور غیر شرعی ہیں، ان کا ترک کرنا لازم ہے۔ وسعت ہوتے ہوئے اسے بطور رسم ادا کرنا، برادری، کنبے والوں کے طعن وتشنیع سے بچنے کی خاطر یا

نام ونمود کی غرض سے عقیقہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس عمل کے موقع پر غیر شرعی امور (مرد و عورت کا اختلاط، تصاویر بنانا وغیرہ) سے بچنا بھی از حد ضروری ہے۔ الغرض عقیقہ ایک عبادت ہے، اسے عبادت سمجھ کر کے اللہ کی رضا کے لیے ہی کرنا ضروری ہے۔

(2) عقیقہ میں جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے، صدقہ کردینا یا ویسے کسی کی دعوت کردینا اس سنت کا بدل نہیں بنے گا۔

(3) عقیقہ قربانی والے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے، پس جس جانور کی قربانی جائز ہے، اس سے عقیقہ بھی جائز ہے اور جس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، اس جانور سے عقیقہ کرنا بھی جائز نہیں۔ نیز! جس طرح ایک بڑے جانور میں ایک سے زیادہ افراد قربانی کے لیے شریک ہو سکتے ہیں، اسی طرح بچوں کا عقیقہ کرتے ہوئے ایک بڑے جانور میں ایک سے زیادہ بچوں کا عقیقہ کیا جاسکتا ہے، اسی طرح عیدالاضحیٰ کے موقع پر بڑے جانور میں قربانی کے حصوں کے ساتھ عقیقہ کے حصے بھی رکھ سکتے ہیں۔

(4) عقیقہ کرنا بچے کے والدین کا فعل ہے، جس طرح بچے کے جملہ اخراجات اور نفقہ والدین کے ذمہ ہے، اسی طرح عقیقہ کرنے کی صورت حال میں عقیقہ کے اخراجات اس کے والدین پر لازم ہوں گے، بچے کے مال کو اس عمل میں استعمال نہ کیا جائے گا۔

(5) عقیقہ کا جانور ذبح کرتے ہوئے دل سے نیت کرنا ضروری ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں، البتہ اگر زبان سے بھی دہرالیں تو بہتر ہے کہ یہ دعا پڑھ لی جائے:
"بِسمِ اللّٰہِ، اللّٰھُمَّ مِنكَ وَ إِلَیْكَ ھٰذِہ عقیقۃُ فُلانٍ". فلان کے لفظ کی جگہ اس بچے کا نام لیا جائے جس کا عقیقہ کیا جارہا ہے۔

(6) عقیقہ کے گوشت کو بھی قربانی کے گوشت کی طرح تین حصوں میں تقسیم کرنا، خود کھانا، دوسروں کو کھلانا جائز و بہتر ہے، عقیقے کے گوشت کو پکا کر رشتہ داروں کو کھلانا زیادہ

بہتر اور پسندیدہ ہے، اور اگر کچا گوشت تقسیم کیا جائے تو بھی جائز ہے۔

(7) مستحب و بہتر یہ ہے کہ گوشت بناتے ہوئے نیک فالی کے طور پر جانور کی ہڈیاں نہ توڑی جائیں، لیکن واضح رہے کہ یہ عمل صرف بہتر ہے، فرض، واجب یا سنن نہیں ہے، کہ اس کے خلاف سے عقیقہ میں کوئی کراہت وغیرہ پیدا ہوتی ہو۔

پانچواں حکم: بال منڈوا کے ان کے بدلے صدقہ کرنا:

نومولود سے متعلق احکامات میں سے پانچواں حکم بچے کے پیدائشی بال مونڈ کر ان کے وزن کے برابر چاندی، سونا یا ان کی مالیت کے بقدر روپے صدقہ کرنا ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنے بیٹے کے سر پر عقیقہ کے جانور کا خون مَل دوں؟ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں! بلکہ تو اس کے سر کو مونڈ دے پھر اس بالوں کے وزن کے برابر چاندی مساکین یا اوفاض پر صدقہ کر دے"۔ "اوفاض" نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے وہ افراد تھے جو محتاج ہوتے تھے، مسجد میں یا صفہ میں قیام پذیر رہتے تھے، چنانچہ! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو اس وقت بھی میں نے ایسے ہی کیا۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ یہ صدقہ دین کے طالب علموں پر کیا جائے۔

عن أبي رافع، قال: لما وَلَدَتْ فاطمةُ حسَناً، قالت: ألا أُعُقّ عن ابني بِدَمٍ؟ قال[ﷺ]: "لا، ولكن احلقي رأسه، ثم تصدّقي بوزنِ شَعره مِن فضةٍ على المساكين أو الأوفاض". وكان الأوفاض ناساً من أصحاب رسول الله

ﷺ محتاجين في المسجد، أو في الصُّفَّة. وقال أبو النضر: "من الورق على الأوفاض -يعني: أهل الصفّة- أو على المساكين" ففعلتُ ذٰلك، قالت: فلما ولَدْتُ حُسَيناً، فعلتُ مثل ذٰلك.

(المسند لإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: 27183، 45/163، المؤسسة الرسالة)

بال منڈوانے کا وقت:

بچے کے بال منڈوانے کا وقت عقیقہ کرنے کے بعد (یعنی ساتویں دن) ہے، جیسا کہ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ عقیقہ کے جانور کے بدلے مرہون ہوتا ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اور اس کا نام رکھا جائے، اور اس کے سر کو مونڈھا جائے۔

عن سَمُرَة، قال: قال رسول الله ﷺ: "الغلام مرتهن بعقيقة، تذبح عنه يوم السابع، ويسمیٰ، ويحلق رأسه".

(مشكاة المصابيح، كتاب الصيد والذبائح ، باب العقيقة، رقم الحديث: 4153، دار الكتب العلمية)

بال منڈوانے سے متعلق مسائل:

(1) اس عمل سے مقصود چونکہ صدقہ ہوتا ہے، اس لیے اگر وسعت ہو تو بالوں کے وزن کے برابر چاندی کے بجائے سونا صدقہ کرنا چاہیے، اور یہ صدقہ طلباء پر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

(2) اس عمل کے وقت عقیقہ کرنے کے بعد کا ہے،لیکن اگر عقیقہ کرنے کی وسعت نہ ہوتو صرف صدقہ ہی کر لینا چاہیے،اوراگراس وقت صدقہ کرنے کی بھی وسعت نہ ہوتو پھر بعد میں جب بھی توفیق ہوجائے تو یہ عمل کرلینا چاہیے۔

(3) بال اتروانے کے بعد انہیں کسی محفوظ جگہ دفن کر دینا چاہیے، گندگی وغیرہ کے ڈھیر پر پھینک دینا مناسب نہیں۔

(4) اگراس عمل سے پہلے ہی بچہ فوت ہوجائے تو اس کے بال نہیں مونڈنے چاہییں۔

نومولود سے متعلق چھٹا حکم: ختنہ کرنا

بچے سے متعلق چھٹا حکم اس کا ختنہ کرنا ہے،ختنہ کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور یہ شعائرِ اسلام میں داخل ہے،احادیثِ مبارکہ میں اس عمل کے اہتمام کی بہت تاکید آئی ہے،فقہاءِ کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر شہر کے تمام افراد ترکِ ختنہ پر متفق ہوجائیں تو حاکمِ وقت ان سے قتال کرسکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه ،عن النبي ﷺ قال:"خمس من الفطرة: الختان،والاستحداد، وتقليم الأظفار،ونتف الإبط،وقص الشارب".
(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، رقم الحديث: ٢٠٥٩، ١/١٩٥ ،دار السلفية)

الختان سنة كما جاء في الخبر وهو من شعائر الإسلام و خصائصه، حتىٰ لو اجتمع أهل بلدٍ علىٰ تركه، يحاربهم الإمام، فلا يُترَكُ إلا للضرورة و عذرُ الشيخ الذي

لا يطيق ذٰلك ظاهرٌ، فيُترك.

(البحر الرائق، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتّى: ۳۵۹/۹، دار الكتب العلمية)

ختنہ کی عمر:

ختنہ کس عمر میں کروایا جاتا ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بچہ ختنہ کی تکلیف برداشت کرنے کا متحمل ہو جائے، اس کا ختنہ کر دینا چاہیے، چاہے، وہ پیدائش کا ساتواں دن ہو، چاہے بلوغت سے پہلے پہلے کوئی بھی وقت، لیکن بغیر کسی عذر یا وجہ کے اس عمل میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس عمل کی تکلیف بھی بڑھتی جائے گی۔

وما يستفاد من حال السلف أنهم كانوا يختتنون عند شعور الصبي، وكانوا يؤخرون فيه تاخيرا حسنا. والأحسن عندي أن يعجل فيه، ويختتن قبل سن الشعور، فإنه أيسر.

(فيض الباری، كتاب الاستئذان، باب الختان بعد الكبر، رقم الحديث: 6299، 10/ 214، دار الكتب العلمية)

بڑی عمر میں ختنہ کروانے کا حکم:

احناف کے نزدیک ختنہ کروانا سنت ہے، لیکن بچپن میں ختنہ نہ ہونے کی صورت میں بلوغت کے بعد یا اسلام قبول کرنے کے بعد ختنہ کروانا لازم ہے، اس عمل میں اگرچہ شرمگاہ کی طرف دیکھنا لازم آتا ہے، لیکن ختنہ کی ضرورت کی وجہ سے شریعت میں اس کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے اس عمل مسنون کی ادائیگی میں ترکِ واجب لازم نہ آئے

گا، تاہم اس عمل کے دوران ڈاکٹر پر لازم ہے کہ وہ بلاضرورت شرمگاہ پر نظر ڈالنے سے گریز کرے۔

وأما النظر إلى العورة لأجل الختان، فليس فيه ترك الواجب لفعل السنة، لأن النظر مأذون فيه للضرورة.

(رد المحتار مع الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في مكة: 3/ 505، دار عالم الكتب)

يحل للرجل أن ينظر من الرجل إلىٰ سائر جسده إلا ما بين السرة والركبة إلا عند الضرورة، فلا بأس أن ينظر الرجل إلىٰ موضع الختان ليختنه ويداويه بعد الختن.

(بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان: 5/ 123، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، 1406ھ)

إذا جاء عذر فلا بأس بالنظر إلىٰ عورة لأجل الضرورة، فمن ذٰلك أن الخاتن ينظر ذٰلك الموضع والخافضة كذٰلك تنظر، لأن الختان سنة، وهو من جملة الفطرة في حق الرجال لا يمكن تركه.

(المبسوط للسرخسي، كتاب الاستحسان، النظر إلىٰ الأجنبيات: 10/ 163، الغفارية، كوئٹة)

ائمہ اربعہ کے نزدیک ختنہ کا حکم:

ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک ختنہ کروانا

واجب ہے اور امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ ختنہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں، تاہم سب کے نزدیک یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔

الختان واجب على الرجال والنساء عندنا، وبه قال كثيرون من السلف، كذا حكاه الخطابي، وممن أوجبه أحمد، وقال مالك و أبو حنيفة سنة في حق الجميع.

(المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب السواك: 1/ 366، دار الفكر)

(المغني لابن قدامه، كتاب الطهارة، فصول في الفطرة، فصل: 1/ 115، دار عالم الكتب)

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: 5/ 357، رشيدية)

(الفواكه الدواني، باب في الفطرة و الختان: 2/ 494، دار الكتب العلمية)

نومسلم کے لیے ختنہ کا حکم:

اگر کوئی شخص بلوغت کے بعد اسلام قبول کرے تو اس کے لیے ختنہ کروانا لازم ہے، البتہ نومسلم اگر بڑی عمر والا ہو، ضعیف و کمزور ہو، ختنہ کی تکلیف برداشت نہ کرسکتا ہو اور کوئی ماہر، دین دار ڈاکٹر بھی اس کے لیے ختنہ کروانے کو جان لیوا قرار دے دے تو ایسے شخص کے لیے ختنہ نہ کروانے کی گنجائش ہے، تاہم ایسے شخص پر قضائے حاجت کے وقت نہایت اہتمام سے صفائی کرنا لازم ہوگا۔

عن قتادة الرهاوي قال أتيت رسول الله ﷺ، فأسلمتُ، فقال لي: "يا قتادة! اغتسل بماءٍ و سدرٍ واحلق عنك شعرَ الكفر". وكان رسول الله ﷺ يأمر من أسلم أن يختتن، وكان ابن ثمانين سنةً.

(المعجم الكبير للطبراني، قتادة الرهاوي، رقم الحديث: 15363، 13/ 344، مكتبه دار ابن تيميه)

واعلم أن الاختتان قبل البلوغ، وأما بعده فلا سبيل إليه، وكان الشاة إسحاق رحمه الله يفتي باختتان من أسلم من الكفار، ولو كان بالغاً، فاتفق مرَّة أن أسلم كافر كهول، فأمره بالاختتان، فاختتن، ثم مات فيه، فلذا[لا] أتوسع فيه، ولا آمر به البالغ، فإنه يؤذي كثيراً، وربما يفضي إلىٰ الهلاك. أما قبل البلوغ، فلا توقيت فيه، وهو المروي عن الإمام الأعظم أبي حنيفة.

(فيض البارى، كتاب الاستئذان، باب الختان بعد الكبر، رقم الحديث: 6299، 10/ 214، دار الكتب العلمية)

ختنہ کی حکمت وفوائد:

اس عمل میں اللہ رب العزت نے شرعی وطبی بہت سارے فوائد رکھے ہیں، جن میں سے چند ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(1) اس عمل کی ادائیگی پر انسان کو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت پوری کرنے کا اجر ملتا ہے، اس لیے کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

(2) اس عمل کی وجہ سے انسان کامل طہارت اور صفائی حاصل کرسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں، اس لیے کہ لٹکی ہوئی کھال مکمل طہارت حاصل ہونے سے مانع ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے غیرِ مختون کی نماز کے بارے میں عدمِ قبولیت کا قول ہے:

عن عكرمة عن ابن عباس قال: "لا تقبل صلاة رجل لم يختتن".

(مصنف عبد الرزاق، كتاب الجامع لإمام معم بن راشد، باب الفطرة والختان، رقم الحديث: 20248، 11 / 175، المكتب الإسلامی، بيروت)

(3) یہ عمل وظیفہ زوجیت کی ادائیگی میں سہولت اور بہت زیادہ لذت کا سبب بنتا ہے۔

"وختان المرأة ليس سنة، بل مكرمة للرجال" قال: ابن عابدين تحت قول "بل مكرمة للرجال" لأنه ألذ في الجماع. زيلعي.

(در المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ: 10 / 481، دار عالم الكتب، رياض)

والختان سنة للرجل تكرمة لها، إذ جماع المختون ألذ.

(شرح النقاية، كتاب الطهارة، باب الغسل: 1 / 77، سعيد)

ختنہ سے متعلق مسائل:

(1) عمل ختنہ ہمارے دیار میں مردوں کے لیے سنت ہے، عورتوں کے لیے نہیں، البتہ اگر عورتیں بھی ختنہ کروالیں تو ناجائز نہیں ہے؛ بلکہ بعض فقہاء نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔

(2) بلوغت سے پہلے پہلے ختنہ کروادینا چاہیے، اگر کوئی عذر ہو تو بعد میں جیسے ہی اس پر قدرت ہو جائے، تو اس عمل کو کرلینا چاہیے۔

(3) لڑکے کے ختنہ کے لیے کوئی ماہر مرد ہونا چاہیے، اگر ایسا کوئی مرد میسر نہ ہو تو پھر عورت بھی یہ کام کرسکتی ہے، اسی طرح بچی کا ختنہ کوئی ماہر عورت ہی کرے، البتہ اگر کوئی ماہر نہ ملے تو جو بھی ماہر مرد ملے، وہ بھی کرسکتا ہے۔

(4) پیدائشی پیدا ہونے والے مختون کے ختنہ کی ضرورت نہیں۔

(5) ختنہ کا جملہ خرچ بچے کا والد برداشت کرے گا، الا یہ کہ کوئی اور اپنی خوشی سے یہ اخراجات اپنے ذمے لے تو ٹھیک ہے۔

(6) ختنہ کے موقع پر دعوت کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہے بعض کی طرف سے ممانعت منقول ہے، اور دوسرے بعض جواز کے قائل ہیں، بہر صورت ان مواقع پر ہونے والی رسوم ورواج اور منکرات سے بچنا از حد ضروری ہے۔

(7) اگر کوئی بچہ ختنہ سے قبل فوت ہو جائے تو اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا۔

نومولود کے پیشاب کا حکم

نومولود کا پیشاب بھی بالغ افراد کی طرح نجس ہے، صرف امام داود ظاہریؒ نومولود کے پیشاب کو طاہر بتاتے ہیں، لیکن جمہور آئمہ کے نزدیک نومولود کا پیشاب، لڑکے کا ہو یا لڑکی کا نجس ہے۔

نومولود کے پیشاب کی طہارت کا طریقہ

چھوٹے بچے (لڑکا ہو یا لڑکی) اگر پیشاب کر دیں تو ناپاک جگہ یا کپڑے وغیرہ کو دھونے کا وہی طریقہ ہے جو بالغ افراد کے پیشاب کی طہارت کا طریقہ ہوتا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی: ناپاک چیز کو پاک کرنے کے لیے تین مرتبہ اچھی طرح دھو کے ہر بار پوری طرح نچوڑا جائے، یہاں تک کہ اس ناپاک شئے سے ناپاکی کے اثرات دور ہو جائیں۔

غیر مقلدین کا ایک اعتراض

اس مسئلے میں غیر مقلدین بہت شور شرابا کرتے ہیں، کہ حدیث میں لڑکے یا لڑکی کے پیشاب کی طہارت میں فرق مذکور ہے، (وہ اس طرح کہ حدیث کے مطابق لڑکے کے پیشاب سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس جگہ پر بس پانی کے چھینٹے مار دو، اور اگر لڑکی کے پیشاب سے پاکی حاصل کرنا چاہو تو اس جگہ کو ہلکا سا دھولو) حالاں کہ تم (اے گروہِ احناف) ان دونوں کے پیشاب کی طہارت میں کوئی فرق نہیں کرتے، لہذا تم تارکِ حدیث ہو، وغیرہ وغیرہ

ایک اہم اصول

غیر مقلدین کے اس ڈھکوسلے کا جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے ایک اصول کو سمجھ کے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے، اس اصول کی وجہ سے ان شاء اللہ آپ کسی جگہ اِن غیر مقلدین سے مار نہیں کھائیں گے۔

وہ اصول یہ ہے کہ "مسئلہ کبھی ایک حدیث سے نہیں بنتا"، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی غیر مقلد کوئی حدیث ذکر کر کے کہے کہ دیکھو حدیث میں تو اس طرح آتا ہے اور تم اس کے خلاف کرتے ہو، تو آپ اس کی یہ بات سن کے فوراً کہہ دیں کہ

''بھائی! مسئلہ کبھی ایک حدیث سے نہیں بنتا''، بلکہ اس موضوع پر (جس پر وہ حدیث پیش کر رہا ہے) تمام احادیث دیکھنی پڑیں گی، کہ اس موضوع کی ممانعت اور اثبات پر صرف یہی ایک حدیث ہے یا اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں، اگر ایک سے زیادہ احادیث اس موضوع پر موجود ہیں تو پھر: دیکھنا ہوگا کہ راجح کون سی ہے اور مرجوح کون سی؟

ناسخ کون سی ہے اور منسوخ کون سی؟

ابتدائے اسلام کے زمانے کی کون سی ہے اور اسلام کے انتہائے زمانہ کی کون سی ہے؟

نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی فعلی حدیث کون سی ہے اور قولی حدیث کون سی ہے،

ان تمام امور کو سامنے رکھتے ہوئے مجتہد فیصلہ کرے گا کہ عمل کے اعتبار سے کس حدیث کو اپنانا ہے، کس کو عمل میں نہیں لانا۔

ان تمام مراحل کے بعد اس موضوع پر تمام احادیث اور آثار کا جائزہ لیا جائے تو مسئلہ مذکورہ میں نتیجہ وہی نکلے گا جو اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، کہ اس پیشاب سے ناپاک چیز کو اسی طریقے سے پاک کیا جس طرح بالغ افراد کے پیشاب کو پاک کیا جاتا ہے۔

اہل علم حضرات کے لیے ایک تفصیلی بحث

اسی موضوع پر مذکورہ قاعدہ یا اصول کے مطابق احادیث کے صحیح مصداق یا تطبیق وتشریح کے لیے اہلِ علم حضرات کے اطمینان اور تسلی کے لیے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے افاداتِ ترمذی الموسوم بہ ''درسِ ترمذی'' سے مذکورہ بحث بلفظہ نقل کی جاتی ہے:

باب ما جاء في نضح بول الغلام قبل أن يطعم

..............فبال عليه، فدعا بماءٍ فرشّه عليه:

شیر خوار کے پیشاب کے بارے میں داؤد ظاہریؒ کا مسلک یہ ہے

کہ وہ نجس ہے، جب کہ جمہور نجاستِ بولِ غلام کے قائل ہیں، قاضی عیاضؒ نے امام شافعیؒ کا مسلک بھی بیان فرمایا، جو داؤد ظاہریؒ کا ہے، یعنی بولِ غلام طاہر ہے، لیکن علامہ نوویؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور فرمایا کہ امام شافعیؒ بھی جمہور کی طرح نجاست کے قائل ہیں۔

پھر جمہور کے مابین بولِ غلام سے طہارت حاصل کرنے میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور امام اسحاقؒ، کے نزدیک بولِ غلام کو دھونے کے بجائے اس پر پانی کے چھینٹے ماردینا کافی ہے، جب کہ جاریہ کے بارے میں غَسل ضروری ہے، پھر چھینٹے مارنے کی تحدید میں امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ تقاطر بالکل ضروری نہیں، اور دوسرا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اتنے چھینٹے مارنے چاہئیں کہ خود تو تقاطر نہ ہو، لیکن نچوڑنے سے تقاطر ہو جائے۔

ان کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ بولِ جاریہ کی طرح غَسل بھی ضروری ہے، البتہ بولِ غلامِ رضیع میں زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں، بلکہ غَسل خفیف کافی ہے۔

امام شافعیؒ وغیرہ حدیثِ باب سے اور ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں بولِ غلام کے ساتھ ''نضح'' یا ''رش'' کے الفاظ آئے ہیں، جن کے معنیٰ ''چھینٹے مارنے'' کے ہیں۔

حنفیہ کا استدلال اوّل تو اِن احادیث سے ہے، جن میں پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے، اور یہ احادیث عام ہیں، اور ان میں کسی خاص بول کی تخصیص نہیں، دوسرے بولِ غلام ہی کے سلسلہ میں حدیث میں ''صبّ علیہ الماء'' اور ''اتبعہ الماء'' بھی وارد ہوا ہے، جو غَسل پر صریح ہے، ایسی احادیث کے تمام طُرق کی تخریج صحیح مسلم میں موجود ہے۔ بلکہ

اعلاء السنن، جلد اول، صفحہ نمبر:473 پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مروی ہے، جس سے صراحۃً غُسلِ بولِ غلام کا پتہ چلتا ہے،

"قالت: كان رسول الله ﷺ يؤتىٰ بالصبيان، فأتى بصبي مرّة، فبال عليه، فقال: صبّوا عليه الماء صبّاً" رواه الطحاوي واسناده صحيح (آثار السنن: 17/1)۔

ان وجوہات کی بناء پر شوافع کے استدلال کے جواب میں امام اعظمؒ فرماتے ہیں، کہ مناسب یہ ہے کہ جن احادیث میں "نضح" اور "رشّ" کے الفاظ آئے ہیں، اُن کے ایسے معنیٰ مراد لیے جائیں، جو دوسری روایات کے مطابق ہوں، اور وہ معنیٰ ہیں: "غَسلِ خفیف"۔ نضح اور رشّ کے الفاظ جہاں چھینٹے مارنے کے معنیٰ میں آتے ہیں، وہاں غَسلِ خفیف کے معنیٰ میں بھی متعارف ہیں، اور خود امام شافعیؒ نے بعض مقامات پر ان الفاظ کی تشریح یہی کی ہے، مثلاً: ترمذی ہی میں "باب في المذيّ يصيب الثوب" کے تحت حضرت سہل بن حنیفؓ کی روایت ہے، جس میں آں حضرت ﷺ نے مذی سے تطہیر کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا:

"يكفيك أن تأخذ كفاً من ماءٍ، فتنضِح به ثوبَك، حيث ترىٰ أنّه أصاب منه".

اس روایت کے تحت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

"وقد اختلف أهل العلم في المذي يصيب الثوب، فقال بعضهم: لا يجزئ إلا الغَسل، وهو قول الشافعيؒ و اسحاقؒ".

ظاہر ہے کہ یہاں امام شافعیؒ نے "نضح" کو "غَسلِ خفیف" کے معنیٰ میں لیا ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم، جلد اول، صفحہ:143 پر باب المذی کے تحت

حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجُھَہ کی روایت ہے:

"أرسلنا المقداد بن الأسود إلىٰ رسول الله ﷺ فسأله عن المذي يخرج من الإنسان، كيف يفعل به؟ فقال رسول الله ﷺ :" توضأ وانضح فرجك".

اس کے تحت امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"وأما قوله ﷺ: "وانضح فرجك" فمعناه:"اغسله" فإن النضح يكون غَسْلاً ويكون رشاً" وقد جاء في الرواية الأخرىٰ: يغسل ذكره، فتعين حمل النضح عليه".

اسی طرح امام ترمذیؒ نے "باب ما جاء في غَسْلِ دم الحيض من الثوب" میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی روایت تخریج کی ہے:

"إن امرأةً سألتِ النبي ﷺ عن الثوب يصيبه الدمُ من الحيضة، فقال رسول الله ﷺ : حتّيه، ثمّ اقرصيه بالماء، ثمّ رشّيه، وصلّي فيه".

یہاں پر بھی "لفظِ رشّ "کو امام شافعیؒ نے غَسْل کے معنیٰ میں لیا ہے، چناں چہ اس حدیث کے تحت امام ترمذیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وقال الشافعيؒ : يجب عليه الغَسل وإن كان أقل من قدر الدرهم وشدد في ذلك".

یہی حدیث صحیح مسلم، جلد اول:"باب نجاسة الدم و كيفيّة غسله" میں صفحہ:140 پر ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

"عن أسماء، قالت: جاء ت امرأة إلىٰ النبي ﷺ فقالت: إحدانا يصيب ثوبَها مِن دمِ الحيضة، كيف تصنع به؟

قال: تحتّه، ثمَّ تقرصه، ثم تنضحه، ثم تصلي فيه".

اس حدیث کے تحت امام نوویؒ جوخود بھی شافعی ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

"ومعنى تنضِحه: "تغسله" وهو بكسر الضاد، كذا قال الجوهري وغيره وفي هذا الحديث وجوب غسل النجاسة بالماء".

توجس طرح ان تمام مقامات پر"لفظِ نضح" اور"لفظِ رش" کو غَسل کے معنیٰ میں لیا گیا ہے، تو افرمختلف روایات میں تطبیق دینے کے لیے حنفیہ ان تمام مقامات پر"لفظِ نضح" اور"لفظِ رش" کوغَسل کے معنیٰ میں لے لیں، تو اس میں کیا حرج ہے؟! البتہ احادیث سے اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے، کہ بولِ جاریہ اور بولِ غلام [کی تطہیر] میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ بولِ جاریہ میں "غَسل شدید" ہوگا، جب کہ بولِ غلام میں "غَسلِ خفیف"۔

اب یہاں ایک سول رہ جاتا ہے کہ غلام اور جاریہ کے بول میں یہ فرق کیوں کیا گیا؟ [اگرچہ وہ فرق حنفیہ کے نزدیک مبالغہ اور عدمِ مبالغہ ہی کا ہے] اسکے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، جن میں بہتر یہ ہے کہ جاریہ کا بول زیادہ غلیظ اور مُنتِنْ ہوتا ہے اور غلام کا اس درجہ میں غلیظ نہیں ہوتا، اور جب شیر خواری کی مدت گذر جائے تو غذا کے اثرات سے لڑکے کے پیشاب میں بھی غلظت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے اس موقع پر کوئی فرق نہیں رہتا، واللہ اعلم، (درس ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء: 1/386 تا 389، مکتبہ دار العلوم کراچی)

نومولود کو تحفے تحائف دینے کا بیان

بچوں کو ان کے بچپن میں جو تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں، اصلاً وہ انہی کی ملکیت ہوتے ہیں، ہاں اگر ان کو دینے والے اگر والدین کو دینا چاہیں اور صرف رسماً بچوں کو پکڑائیں تو

ان کے مالک وہ بچے نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مالک ان بچوں کے والدین ہی ہوں گے۔

اس بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہشتی زیور میں خوب تفصیل سے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے، ذیل میں وہ تفصیل نقل کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ نمبر: 1۔ ختنہ وغیرہ کسی تقریب میں چھوٹے بچوں کو جو کچھ دیا، اس سے مقصود خاص اس بچے کو دینا نہیں ہوتا، بلکہ ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر دیا جانے والا ''نیوتہ'' بچے کی ملکیت نہیں، بلکہ ماں باپ اس کے مالک ہیں، جو چاہیں اس میں تصرف کریں، البتہ اگر کوئی شخص خاص بچے ہی کو کوئی چیز ہبہ کرے تو پھر وہی بچہ اس کا مالک ہے، اگر بچہ سمجھ دار ہے تو خود اس کا قبضہ کر لینا کافی ہے، جب قبضہ کر لیا تو مالک ہو گیا، اگر بچہ قبضہ نہ کرے یا قبضہ کرنے کے لائق نہ ہو تو اگر باپ ہو تو اس کے قبضہ کر لینے سے اور اگر باپ نہ ہو تو دادا کے قبضہ کر لینے سے بچہ مالک ہو جائے گا، اگر باپ دادا موجود نہ ہوں تو وہ بچہ جس کی پرورش میں ہے، اس کو بچے کی طرف سے قبضہ میں لے لینا چاہیے اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے ماں، نانی، دادی وغیرہ اور کسی کا قبضہ معتبر نہیں۔

مسئلہ نمبر: 2۔ اگر باپ یا اس کے نہ ہونے کے وقت دادا اپنے بیٹے، پوتے کو کوئی چیز دینا چاہے تو صرف اتنا کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا کہ میں نے اس کو یہ چیز دے دی، اور اگر باپ، دادا نہ ہوں تو ماں، بھائی وغیرہ بھی اگر اس کو کچھ دینا چاہیں اور وہ بچہ ان کی پرورش میں ہو تو ان کے اس کہہ دینے سے بھی وہ بچہ مالک ہو گیا، کسی کے قبضہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر: 3۔ جو چیز اپنی اولاد کو دینی ہو، سب کو برابر دینا چاہیے، لڑکا لڑکی سب کو برابر دے، اگر کبھی کسی کو کچھ زیادہ دے دیا تو بھی کوئی حرج نہیں، لیکن جسے کم دیا اس کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو، ورنہ کم دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: 4۔ جو چیز نابالغ کی ملکیت میں ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچے ہی کی ضرورت میں لگانا چاہیے، کسی اور کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، خود ماں باپ بھی اپنے استعمال میں نہ

لائیں، نہ کسی اور بچے کو استعمال کرنے دیں۔

مسئلہ نمبر:5۔ اگر ظاہراً بچے کو دیا مگر یقیناً معلوم ہے کہ مقصد تو ماں باپ ہی کو دینا ہے، مگر اس چیز کو حقیر سمجھ کے بچے ہی کے نام سے دے دیا تو ماں باپ کی ملکیت ہے، جو چاہیں کریں، پھر اس میں بھی دیکھ لیں کہ اگر ماں کے رشتہ داروں نے دیا ہے تو ماں کا ہے، اگر باپ کے رشتہ داروں نے دیا ہے تو باپ کا ہے۔

مسئلہ نمبر:6۔ اگر اپنے نابالغ لڑکے کے لیے کپڑے بنوائے تو وہ لڑکا مالک ہو گیا یا نابالغ لڑکی کے لیے زیور بنوایا تو وہ لڑکی مالک ہوگئی، اب وہ کپڑے یا زیور کسی اور لڑکے یا لڑکی کو دینا درست نہیں، جس کے لیے بنوائے ہیں اسی کو دے، البتہ اگر بناتے وقت صاف کہہ دیا کہ یہ میری ہی چیز ہے، عاریت کے طور پر دیتا ہوں تو بنوانے والے کی رہے گی۔

مسئلہ نمبر:7۔ جس طرح خود بچہ اپنی چیز کسی کو دے نہیں سکتا، اسی طرح ماں باپ کو بھی نابالغ کی چیز کسی کو دینے کا اختیار نہیں، اگر ماں باپ اس کی چیز کسی کو دے دیں یا ذرا دیر یا کچھ دن کے لیے عاریت پر دے دیں، تو اس کے لیے لینا درست نہیں۔ البتہ اگر ماں باپ کو غربت کی وجہ سے سخت ضرورت ہو اور وہ چیز کہیں اور سے ان کو نہ مل سکے تو ایسی مجبوری کے وقت اپنی اولاد کی چیز لے لینا درست ہے۔

مسئلہ نمبر:8۔ ماں باپ وغیرہ کے لیے بچے کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں، بلکہ بغیر مجبوری کے خود قرض لینا بھی صحیح نہیں، البتہ اگر سخت مجبوری ہو تو والدین کے لیے بچے کا مال بطورِ قرض لینا صحیح ہے۔

(تسہیل بہشتی زیور، کتاب الھبہ، بچوں کو دینے کا بیان: 1/235،236، کتاب گھر، کراچی)

خاتمہ

الحمد للہ! نومولود کے احکام سے متعلق سارے احکام اجمال کے ساتھ لیکن مدلل بیان ہو چکے ہیں، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان احکاماتِ الٰہیہ کو جگہ دیں، اپنی زندگی

میں بھی اور بچوں کے اندر بھی یہ صفات پیدا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانی چاہیے، بوقت ضرورت مفتیان کرام اور دیگر تفصیلی و بڑی کتب سے مدد لی جاسکتی ہے، مذکورہ مضمون ان موضوعات کا استقصا نہیں کرتا، بلکہ ایک حد تک ہمیں ان احکامت سے روشناس کرواسکتا ہے، اللہ رب العزت اس کا نفع عام و تام فرمائے۔آمین



مأخذ و مصادر

1	قرآن حکیم،
2	إعلاء السنن، المحدث العلامه العثماني، التهانويؒ، ادارة القرآن
3	إكمال المعلم للقاضي عياض، أبو الفضل عياض بن موسىٰ بن عياض اليحصبيؒ، المتوفىٰ: ٥٤٤هـ، دارالكتب العلمية
4	الأدب المفرد للبخاري، محمد بن إسماعيل البخاريؒ، المتوفىٰ: ٢٥٦هـ، مكتبة الدليل
5	البحر الرائق، زين العابدين بن إبراهيم بن نجيمؒ، المتوفى: ٩٦٩هـ، دار الكتب العلميه

6	**الفتاویٰ الهندية** ، العلامة الشيخ نظام و جماعة علماء الهند، دار الكتب العلميه
7	**الفواكه الدواني**،الشيخ أحمد بن غنيم بن سالم بن مهنا الأزهري المالكي، المتوفى: ١١٢٦هـ، دار الكتب العلميه
8	**المبسوط للسرخسي**، شمس الأئمة أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، المتوفى: ٤٨٣هـ، دارالفكر
9	**المجموع شرح المهذب**، أبو زكريا يحيٰ بن شرف النووي، المتوفىٰ: ٦٧٦هـ، دارالفكر
10	**المستدرك علىٰ الصحيحين**، أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، المتوفىٰ: ٤٠٥هـ، دارالمعرفة
11	**المصنف لابن أبي شيبة**، عبد الله بن محمد بن أبي شيبة المعروف بابي بكر بن أبي شيبة، المتوفىٰ: ٢٣٥هـ، دارالسلفية
12	**المصنف لعبد الرزاق**، عبد الرزاق بن همام الصنعاني، المتوفىٰ: ٢١١هـ، المكتب الإسلامي
13	**المعجم الكبير**،سليمان بن أحمد بن ايوب الطبراني، المتوفىٰ: ٣٦٠هـ، دار عالم الكتب
14	**المغني لإبن قدامة**،أبو محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة، المتوفىٰ: ٦٢٠هـ،دار عالم الكتب
15	**الموطا لابن الإمام مالك**، مالك بن أنس، المتوفىٰ: ١٧٩هـ، دار الغرب الإسلامي

16	بدائع الصنائع، علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاسانيؒ، المتوفیٰ: ۵۸۷ھ، دار الكتب العلمية
17	تحفة المودود بأحكام المولود، أبو عبد الله محمد بن أبو بكر بن أيوب الزرعيؒ الشهير بابن قيم الجوزية، المتوفیٰ: ۷۵۱ھ، دار ابن قيم
18	تسهيل بهشتي زيور،ترتيب جديد رفقاء جامعة الرشيد، كتاب گهر
19	حاشية ابن العابدين ،محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدينؒ، المتوفیٰ: ۱۲۵۲ھ، دار عالم الكتب
20	حاشية السندى على صحيح البخاري، أبو الحسن نور الدين محمد بن السنديؒ، المتوفیٰ: ۱۱۳۸ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية
21	حاشية السندي على النسائي، أبو الحسن نور الدين محمد بن السنديؒ، المتوفیٰ: ۱۱۳۸ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية
22	درس ترمذي، مفتي محمد تقى عثماني صاحب زيد مجدهم، مكتبه دار العلوم كراتشي
23	رد المحتارمع الدرالمختار، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدينؒ، المتوفیٰ: ۱۲۵۲ھ، دار عالم الكتب
24	روح المعاني، أبو الفضل شهاب الدين سيد محمود آلوسي البغداديؒ، المتوفیٰ: ۱۲۷۰ھ، دار احياء التراث
25	سنن ابن ماجة، أبو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجةؒ، المتوفیٰ: ۲۷۳ھ، دار الجيل، بيروت

26	سنن الترمذي، أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة، الترمذيؒ، المتوفىٰ: ٢٧٩ھ، مطبعه مصطفىٰ البابي الحلبي
27	سنن النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائيؒ، المتوفىٰ: ٣٠٣ھ، دار المعرفة
28	سنن أبي داؤد، أبو داؤد سليمان بن الأشعث السجستانيؒ، المتوفىٰ: ٢٧٥ھ، دار ابن حزم/ دار السلام
29	شرح النقاية، نور الدين علي بن سلطان القاريؒ، المتوفىٰ: ١٠١٤ھ، سعيد
30	شرح النووي على صحيح مسلم، أبو زكريا يحىٰ بن شرف النوويؒ، المتوفىٰ: ٦٧٦ھ، دار الكتب العلمية/ المطبعة المصرية بالأزهر
31	شُعب الإيمان للبيهقي، أحمد بن الحسين بن علي البيهقيؒ، المتوفىٰ: ٤٥٨ھ، دار الكتب العلمية/ مكتبة الرشد
32	صحيح البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاريؒ، المتوفىٰ: ٢٥٢ھ، دار طوق النجاة / دارلسلام
33	صحيح مسلم، مسلم بن حجاج القشيريؒ، النيسابوري، المتوفىٰ: ٢٦١ھ، بيت الأفكار / دارالسلام
34	عمدة القاري، بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العينيؒ، المتوفىٰ: ٨٥٥ھ، دار الكتب العلمية
35	فتح الباري، أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلانيؒ، المتوفىٰ: ٥٨٢ھ، دارالمعرفة

36	**فیض الباري**، العلامة أنور شاه الكشميريؒ، المتوفیٰ: ۱۳۵۲ھ، دار الكتب العلمية
37	**فیض القدیر**، محمد المعروف بعبد الرؤف المناويؒ، المتوفیٰ: ۱۳۹۱ھ، دار الكتب العلمية
38	**كتاب الزهد لابن المبارك**، إمام عبد الله بن مباركؒ، المتوفیٰ: ۱۸۱ھ، دار الكتب العلمية
39	**مجمع الزوائد و منبع الفوائد**، نور الدين علي بن أبي بكر الهيثميؒ، المتوفیٰ: ۸۰۷ھ، دار الفكر
40	**مرقاة المفاتيح**، نور الدين علي بن سلطان القاريؒ، المتوفیٰ: ۱۰۱۴ھ، سعيد
41	**مسند البزار**، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، المتوفیٰ: ۲۹۲ھ، مؤسسة علوم القرآن
42	**مسند أحمد بن حنبل**، إمام أحمد بن الحنبلؒ، المتوفیٰ: ۲۴۱ھ، مؤسسة الرسالة
43	**مشكاة المصابيح**، محمد بن عبد الله الخطيب الطبريزيؒ، دار الكتب العلمية

☆............☆............☆